الرسالہ
Al-Risāla

April 2000 • No. 281 • Rs. 10

جو آدمی کل کے دن خدا کی پکڑ سے نہ ڈرتا
ہو آپ آج اس کے شر سے محفوظ نہیں رہ سکتے

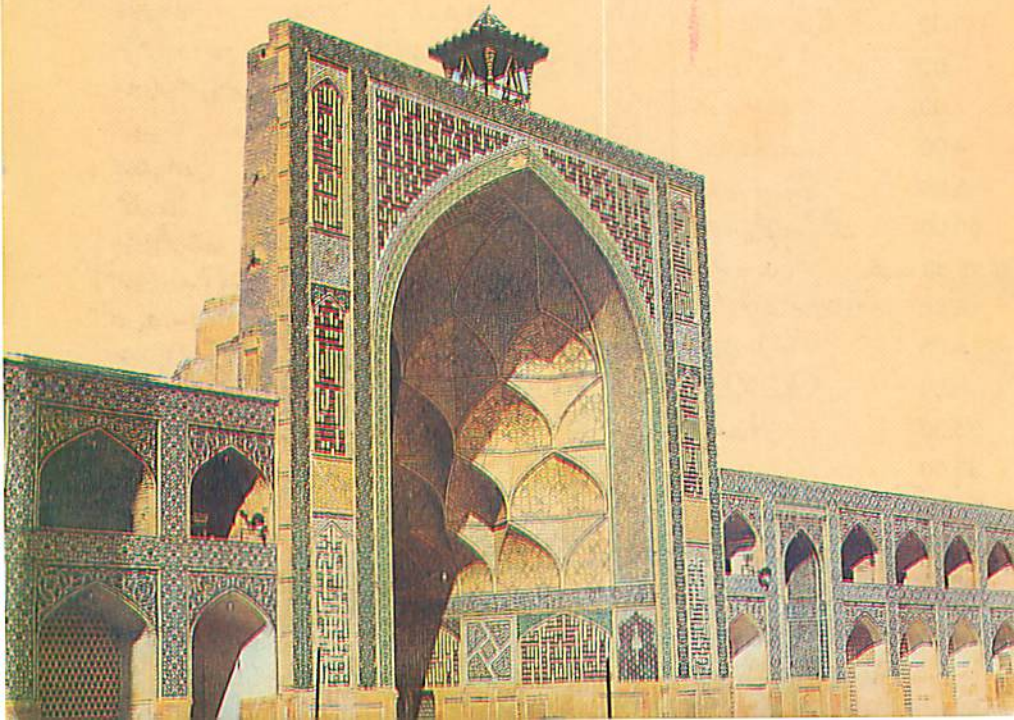

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر، مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

تذکیر القرآن (مکمل)	400.00
اسلام: ایک تعارف	80.00
اللہ اکبر	45.00
پیغمبر انقلاب	50.00
مذہب اور جدید چیلنج	55.00
عظمت قرآن	35.00
عظمت اسلام	50.00
عظمت صحابہ	7.00
دین کامل	60.00
الاسلام	45.00
ظہور اسلام	50.00
اسلامی زندگی	40.00
احیاء اسلام	35.00
راز حیات	65.00
صراط مستقیم	40.00
خاتون اسلام	60.00
سوشلزم اور اسلام	50.00
اسلام اور عصر حاضر	30.00
الربانیہ	40.00
کاروان ملت	45.00
حقیقت حج	30.00
اسلامی تعلیمات	35.00
اسلام دور جدید کا خالق	25.00
حدیث رسول	40.00
سفر نامہ (غیر ملکی اسفار)	85.00
راہ عمل	25.00
تعبیر کی غلطی	80.00
دین کی سیاسی تعبیر	20.00
عظمت مومن	7.00
اسلام ایک عظیم جدوجہد	5.00
تاریخ دعوت حق	5.00

مطالعہ سیرت (کتابچہ)	12.00
ڈائری (جلد اول)	80.00
کتاب زندگی	65.00
اقوال حکمت	25.00
تعمیر کی طرف	8.00
تبلیغی تحریک	20.00
تجدید دین	25.00
عقلیات اسلام	35.00
قرآن کا مطلوب انسان	8.00
دین کیا ہے؟	7.00
اسلام دین فطرت	7.00
تعمیر ملت	7.00
تاریخ کا سبق	7.00
فسادات کا مسئلہ	5.00
انسان اپنے آپ کو پہچان	5.00
تعارف اسلام	5.00
اسلام پندرہویں صدی میں	5.00
راہیں بند نہیں	12.00
ایمانی طاقت	7.00
اتحاد ملت	7.00
سبق آموز واقعات	7.00
زلزلہ قیامت	10.00
حقیقت کی تلاش	8.00
پیغمبر اسلام	5.00
آخری سفر	7.00
اسلامی دعوت	7.00
حل یہاں ہے	10.00
سچا راستہ	8.00
دینی تعلیم	7.00
امہات المومنین	20.00
تصویر ملت	85.00

دعوت اسلام	50.00
دعوت حق	40.00
نشری تقریریں	80.00
دین انسانیت	60.00
فکر اسلامی	50.00
شتم رسول کا مسئلہ	50.00
طلاق اسلام میں	5.00
مضامین اسلام	60.00
حیات طیبہ	7.00
باغ جنت	7.00
نار جہنم	7.00
خلیج ڈائری	10.00
رہنمائے حیات	7.00
تعدد ازدواج	7.00
ہندستانی مسلمان	50.00
روشن مستقبل	7.00
صوم رمضان	7.00
اسلام کا تعارف	4.00
علما اور دور جدید	8.00
سفر نامہ اسپین و فلسطین	60.00
مارکسزم: تاریخ جس کو رد کر چکی ہے	12.00
سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ	8.00
یکساں سول کوڈ	5.00
اسلام کیا ہے؟	8.00
میوات کا سفر	35.00
قیادت نامہ	35.00
مطالعہ سیرت	60.00
منزل کی طرف	4.00
اسباق تاریخ	85.00

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الرسالہ

Al-Risāla

اردو، اور انگریزی میں شائع ہونے والا

اسلامی مرکز کا ترجمان

زیر سرپرستی

مولانا وحید الدین خاں

صدر اسلامی مرکز

Al-Risāla
1, Nizamuddin West Market,
New Delhi-110013
Tel. 4625454, 4611128
Fax 4697333, 4647980
e-mail: skhan@vsnl.com
website: www.alrisala.org

SUBSCRIPTION RATES
Single copy Rs. 10
One year Rs. 110. Two years Rs. 200
Three years Rs. 300. Five years Rs. 480
Abroad: One year $ 10/£6 (Air mail)

DISTRIBUTED IN ENGLAND BY
IPCI: ISLAMIC VISION
481, Coventry Road, Birmingham B10 0JS
Tel. 0121-773 0137, Fax: 0121-766 8577
e-mail: info@ipci-iv.co.uk

DISTRIBUTED IN USA BY
AL-RISALA FORUM INTERNATIONAL
1439 Ocean Ave., 4C Brooklyn
New York NY 11230 Tel./Fax 718-2583435
e-mail: kaleem@alrisala.org

اپریل 2000 شمارہ نمبر 281

فہرست

رب بنانا 4

اول دن 5

اہل ایمان 6

ایک خواب 10

کردار کا کرشمہ 12

جنت کا استحقاق 15

بڑا کام 17

بمبئی کا سفر 19

سوال وجواب 34

غلط فہمی 40

خبرنامہ اسلامی مرکز ۴۵ 45

Printed and published by Saniyasnain Khan on behalf of The Islamic Centre, New Delhi.
Printed at Nice Printing Press, 7/10, Parwana Road, Khureji Khas, Delhi

رب بنانا

دورِ زوال کے یہودیوں اور عیسائیوں کا ذکر کرتے ہوئے قرآن میں ارشاد ہوا ہے: انھوں نے اللہ کے سوا اپنے علماء اور مشائخ کو رب بنالیا اور مسیح بن مریم کو بھی۔ حالانکہ ان کو صرف یہ حکم تھا کہ وہ صرف ایک معبود کی عبادت کریں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ پاک ہے اس سے جو وہ شریک کرتے ہیں۔ (التوبہ ۳۱)

احمد اور ترمذی نے یہ روایت کیا ہے کہ عدی بن حاتم الطائی جو جاہلیت کے زمانہ میں نصرانی ہو گئے تھے، وہ مدینہ آئے اور اسلام قبول کر لیا۔ پھر انھوں نے مذکورہ آیت کی نسبت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ انھوں نے اپنے علماء اور مشائخ کی عبادت تو نہیں کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں۔ ان کے علماء نے حلال کو حرام کیا اور حرام کو حلال کیا تو انھوں نے اس کی پیروی کی۔ یہی ان کی اپنے علماء و مشائخ کی عبادت ہے۔ تفسیر ابن کثیر الجزء الثانی صفحہ ۳۴۸۔

ان آیات میں اتخاذِ رب کا مطلب اکابر پرستی ہے۔ اس کا اس سیاسی نظریہ سے کوئی تعلق نہیں کہ جو لوگ زمین پر حاکم بن کر اپنا قانون چلا رہے ہوں ان سے لڑ کر انہیں ختم کرو اور زمین پر خدائی قانون کا نفاذ کرو۔ اس آیت کے اندر حال میں موجود ایک صورت کا ذکر ہے نہ کہ مستقبل کی نسبت سے سیاسی مشن کا تعین۔

اس آیت میں دراصل یہ بتایا گیا ہے کہ کسی امت کی حالت اس کے دورِ زوال میں کیا ہوتی ہے۔ ایسے زمانہ میں امت کا زندہ تعلق خدا اور رسول کے ساتھ باقی نہیں رہتا۔ اس کی توجہات کا مرکز اس کے اکابر اور مشائخ بن جاتے ہیں۔ اکابر کے اقوال اور ملفوظات اس کے لئے اس کے دین کا ماخذ ہوتے ہیں۔ وہ اپنے مفروضہ بڑوں کی پر اسرار کہانیوں میں جینے لگتے ہیں۔ ان کے نزدیک حق صرف وہ ہوتا ہے جو انہیں اپنے بعد کے علماء و مشائخ سے ملا ہو۔ خدا کی کتاب ان کے لئے برکت کا ذریعہ بن جاتی ہے، وہ ان کے لئے حق و باطل میں تمیز کی کسوٹی نہیں ہوتی۔

اول دن

زکام شروع ہونے سے پہلے اس کی کچھ علامتیں ظاہر ہوتی ہیں مثلاً چھینک آنا۔ زکام کی ابتدائی علامت ظاہر ہوتے ہی اگر فوری طور پر دوا لی جائے تو پہلی ہی خوراک میں زکام کنٹرول میں آجائے گا لیکن اگر دیر کی جائے تو لمبی مدت تک زکام آپ کو پریشان کرتا رہے گا۔ یہی دوسری بیماریوں کا معاملہ ہے۔

زندگی کے مسائل و معاملات کی نوعیت بھی یہی ہے۔ اس بات کو فارسی زبان کی ایک مثل میں اس طرح کہا گیا ہے: گربہ کشتن روز اول (بلی کو پہلے ہی دن ہلاک کرو) اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی شخص سے تمہاری نزاع ہو یا اس سے دشمنی ہو جائے تو ابتداء ہی میں اس کو ختم کرنے کی کوشش کرو۔ حتی کہ فریق ثانی کی شرطوں پر اگر معاملہ ختم ہوتا ہو تب بھی اس میں دیر نہیں کرنا چاہئے۔ اس طرح کے معاملات میں دیر کرنے کا نتیجہ صرف یہ ہوتا ہے کہ معاملہ کی پیچیدگی بڑھتی چلی جائے۔ نزاعی مسئلہ ابتدائی مرحلہ میں تھوڑی قیمت پر حل ہو جاتا ہے۔ جب کہ بعد کو بھاری قیمت دے کر اسے حل کرنا پڑتا ہے۔

اس اصول پر عمل نہ کرنے کی وجہ اکثر یہ ہوتی ہے کہ نزاع پیش آنے کے بعد صاحب معاملہ معتدل ذہنی حالت میں نہیں رہتا۔ اس لئے وہ بے لاگ فیصلہ کرنے میں عاجز ثابت ہوتا ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ معاملہ پیش آنے کے بعد لوگوں سے مشورہ کیا جائے اور جو مشورہ ملے اس پر کھلے ذہن کے ساتھ غور کیا جائے۔ مشورہ کے ذریعہ وہ درست رائے معلوم ہو جاتی ہے جس کو صاحب معاملہ اپنے متاثر ذہن کی بنا پر دریافت نہیں کر سکا تھا۔

نزاع کا جاری رہنا کسی بھی فریق کے لئے مفید نہیں۔ اگر فریق ثانی ضد کا طریقہ اختیار کرے تب بھی ایک فریق کو یک طرفہ طور پر اسے ختم کر دینا چاہئے۔ جو فریق نزاع کے خاتمہ کی پہل کرے گا آخر کار وہ کامیاب ہوگا۔

اہلِ ایمان

قرآن میں پیغمبر اور آپ کے ساتھیوں کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ: محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ منکروں پر سخت ہیں اور آپس میں مہربان ہیں تم ان کو رکوع میں اور سجدہ میں دیکھو گے۔ وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی کی طلب میں لگے رہتے ہیں۔ ان کی نشانی ان کے چہروں پر ہے سجدہ کے اثر سے، ان کی یہ مثال تورات میں ہے۔ اور انجیل میں ان کی مثال یہ ہے کہ جیسے کھیتی، اس نے اپنا انکھوا نکالا، پھر اس کو مضبوط کیا، پھر وہ اور موٹا ہوا، پھر اپنے تنے پر کھڑا ہو گیا، وہ کسانوں کو بھلا لگتا ہے۔ تاکہ ان سے کافروں کو جلائے۔ ان میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ نے ان سے معافی کا اور بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔ (الفتح ۲۹)

محمد اللہ کے رسول ہیں ـــــ یہ صرف ایک واقعہ کا بیان نہیں ہے بلکہ وہ اس کی دلیل بھی ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب بھی کسی نے یہ اعلان کیا کہ میں اللہ کا رسول ہوں تو وہ واقعۃً اللہ کا رسول تھا۔ پیغمبر اسلام سے پہلے یا پیغمبر اسلام کے بعد کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی شخص جو اللہ کا رسول نہ ہو وہ اپنی زبان سے یہ جملہ بولے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کہنا کہ "میں اللہ کا رسول ہوں" اتنا زیادہ مشکل ہے کہ یہ جملہ صرف وہی شخص بولے گا جو واقعۃً اللہ کا رسول ہوگا، کوئی غیر رسول یہ جملہ بولنے کی ہمت ہی نہیں کر سکتا۔ اور نہ کبھی تاریخ میں کسی نے اس قسم کی جرأت کی۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الرسالہ، مارچ ۲۰۰۰۔

یہی اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ خدا کے آخری پیغمبر تھے۔ آپ کے بعد جب کوئی شخص یہ نہ کہہ سکا کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں تو آپ کا دعویٰ غیر متنازعہ طور پر اپنے آپ تاریخ میں قائم ہے۔ آپ کو خاتم الرسل ثابت کرنے کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں۔

اور جو لوگ رسول کے ساتھ ہیں ـــــ یہ بظاہر ایک سادہ جملہ ہے جو اصحاب رسول سے متعلق ہے۔ لیکن جب اس پر غور کیا جائے کہ یہ اولین لوگ کیسے پیغمبر اسلام کے ساتھی بنے تو معلوم

ہوتا ہے کہ یہ محض ایک سادہ جملہ نہیں بلکہ اس کے اندر ایک انتہائی اہم حقیقت چھپی ہوئی ہے۔

اسلام کے دور اول میں پیغمبر کی تصویر، قرآن کے الفاظ میں صرف ایک بشر جیسی تھی۔ وہ لوگوں کو بس محمد بن عبداللہ کے روپ میں دکھائی دیتے تھے۔ لیکن آج آپ کے نام کے ساتھ اتنی زیادہ تاریخی عظمتیں جمع ہو چکی ہیں کہ ایک غیر مسلم محقق بھی مجبور ہے کہ آپ کو تمام پیدا ہونے والے انسانوں میں سب سے بڑا انسان قرار دے۔ گویا آپ کے ابتدائی پیروؤں نے "محمد بدون تاریخ" میں آپ کے رسولِ خدا ہونے کی حقیقت کو دریافت کیا۔ جب کہ آج کا ایک شخص "محمد بشمول تاریخ" میں آپ کے رسول خدا ہونے کا اعتراف کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کے اولین پیروؤں نے آپ کے رسول خدا ہونے کو اس وقت مانا جب کہ آپ اپنی اضافی حیثیت کے بغیر مجرد روپ میں ان کے سامنے ظاہر ہوئے تھے۔ جب کوئی شخص اس طرح پیغمبر کو اس کی اضافی نسبتوں کے بغیر مجرد روپ میں جان لے تو ایسے آدمی کا ایمان ایک گہری معرفت پر مبنی ہوتا ہے۔ وہ اس کے لئے ایک عظیم دریافت (Discovery) کے ہم معنی ہوتا ہے۔ ایسی دریافت آدمی کے پورے وجود میں ایک مکمل فکری اور روحانی انقلاب برپا کر دیتی ہے۔ اس انقلاب کے بعد اس کی جو شخصیت بنتی ہے، اس کا ذکر آیت کے اگلے الفاظ میں کیا گیا ہے۔

پیروان رسول کی ایک صفت یہ بتائی گئی کہ وہ منکروں پر (اشداء علی الکفار) ہیں۔ یہاں سخت یا شدید کا مطلب کڑا پن یا درشتی نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ غیر اہل اسلام کی غیر اسلامی باتوں کا اثر قبول نہیں کرتے۔ عربی میں کہا جاتا ہے: ھو شدیدٌ علیَّ۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ میرے ساتھ سخت معاملہ کرتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ میرا اثر قبول نہیں کرتا۔ مومن ایک با اصول انسان ہوتا ہے۔ وہ بے اصول لوگوں یا مفاد پرستی کے علمبرداروں سے غیر متاثر ہو کر رہتا ہے۔ وہ خود اپنے طے کردہ اصولوں کی روشنی میں اپنی زندگی کی تعمیر کرتا ہے۔ وہ کبھی کسی خلافِ حق رواج کا اثر قبول نہیں کرتا۔

وہ آپس میں مہربان ہیں (رحماء بینھم) ـــــ لوگوں سے مہربانی کے ساتھ پیش آنا انسانیت کا اعلیٰ ترین تقاضہ ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اہل ایمان اپنے لوگوں سے معاملہ کرتے ہوئے رحیم و شفیق ہوں۔ اور جب دوسروں سے معاملہ پیش آئے تو وہ ان کے ساتھ اس کے برعکس عمل کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ رحمت و شفقت اہل ایمان کی ایک مستقل اور عمومی صفت ہے جو ایک کے مقابلہ میں ظاہر ہوتی ہے، خواہ وہ اپنا ہو یا کوئی غیر۔

آپس میں مہربان ہونے کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے فرمایا کہ آپس میں مہربان ہونا نسبتاً زیادہ مشکل کام ہے۔ جو آدمی اپنوں کے ساتھ رحمت و شفقت کا معاملہ کرے وہ غیروں کے ساتھ بھی ضرور رحمت و شفقت کا معاملہ کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے لوگوں کے درمیان ہمیشہ ملنا جلنا زیادہ ہوتا ہے۔ ان سے زیادہ معاملات پیش آتے ہیں۔ لین دین کی عملی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے اپنے لوگوں سے اکثر شکایت اور نزاع پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا کہ غیروں کے مقابلہ میں شفقت کا معاملہ اگر سادہ طور پر صرف شفقت کرنے کا معاملہ ہے تو اپنوں کے مقابلہ میں شفقت کا معاملہ شکایت اور نزاع کے باوجود شفقت کا معاملہ۔ اپنوں کے مقابلہ میں رحیم ثابت ہونا زیادہ بڑی جانچ میں پورا اترنا ہے۔ اور یہ ایک فطری بات ہے کہ جو آدمی بڑی جانچ میں پورا اترے وہ چھوٹی جانچ میں بدرجۂ اولیٰ پورا اترے گا۔

تم ان کو رکوع میں اور سجدہ میں دیکھو گے ـــــ یہ اہل ایمان کی اس کیفیت کی تصویر ہے جو ان کے اندر خدا کی نسبت سے پیدا ہوتی ہے۔ خدا پر ایمان ان کے لئے خدا کی عظمت کی دریافت کے ہم معنی ہوتا ہے۔ یہ دریافت ان کے سینہ کو خشوع اور تواضع سے بھر دیتی ہے۔ اس کا مظاہرہ بار بار عبادت اور رکوع اور سجود کی صورت میں ہوتا رہتا ہے۔

وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی کی طلب میں لگے رہتے ہیں ـــــ ایمان آدمی کے اندر یہ شعور پیدا کرتا ہے کہ ساری طاقتیں صرف ایک خدا کے پاس ہیں۔ وہ دینے والا ہے اور انسان اس سے پانے والا۔ یہ شعور اس کی زندگی میں اس طرح ڈھل جاتا ہے کہ وہ ہر چیز کو خدا کا

فضل سمجھنے لگتا ہے۔ اس کی ہر سرگرمی خدا کی خوشنودی کی تلاش میں بدل جاتی ہے۔

ان کی نشانی ان کے چہروں پر ہے سجدہ کے اثر سے ۔۔۔ یہ ایک فطری حقیقت ہے کہ آدمی کی اندرونی کیفیت اس کے چہرے پر نمایاں ہو جاتی ہے۔ آدمی اندر سے خوش ہے یا غمگین، دونوں حالتوں میں اس کا چہرہ اس کی داخلی حالت کی عکاسی کرتا ہے۔ اسی طرح جب ایک شخص حقیقی معنوں میں سجدہ گزار ہو، اس کا وجود ایمان کی کیفیات سے بھر گیا ہو تو اس کے چہرے پر اس کے اثرات اس طرح ظاہر ہو جائیں گے کہ دیکھنے والا اس کے ظاہر سے اس کے باطن کو پڑھ سکے۔ یہ اہل ایمان کی انفرادی خصوصیات ہیں جن کا ذکر پیشگی طور پر تورات میں کیا گیا تھا۔ اصحاب رسول کی یہ صفت موجودہ تبدیل شدہ تورات میں قدسیوں (Saints) کے لفظ کی صورت میں پائی جاتی ہے۔ (کتاب استثناء باب ۳۳)

انجیل (مرقس، باب ۴) میں اس گروہ کے اجتماعی اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس اجتماعی خصوصیت کو مذکورہ قرآنی آیت کے آخر میں کھیتی یا زرعی فصل کی تمثیل کے ذریعہ اس طرح بتایا گیا ہے کہ سچے اہل اسلام خدا کی زمین میں درخت کی طرح اگتے اور بڑھتے ہیں۔ وہ پودے سے آغاز کر کے ہرا بھرا باغ بن جاتے ہیں۔ اہل اسلام کا گروہ پودے کی صورت میں ایک ابتدائی مقام سے ابھرتا ہے۔ پھر وہ بڑھتے بڑھتے ایک طاقتور درخت بن جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا استحکام اس درجہ کو پہنچ جاتا ہے کہ اہل حق اس کو دیکھ کر خوش ہوں اور اہل باطل غیظ و حسد میں مبتلا ہو کر رہ جائیں کہ چاہنے کے باوجود وہ اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔

آیت کے آخری ٹکڑے میں بتایا گیا ہے کہ جو لوگ مذکورہ انفرادی اور اجتماعی صفات میں پورے اتریں ان کے لئے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ ان کو مغفرت اور اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ یہاں مغفرت سے مراد آخرت کی کامیابی ہے اور اجر عظیم سے مراد دنیا کی کامیابی۔ آخرت کی کامیابی انہیں جنت کی صورت میں ملے گی اور دنیا کی کامیابی ملی وقار اور فکری غلبہ کی صورت میں۔

ایک خواب

میری لڑکی ام السلام (پیدائش نومبر ۱۹۵۰) نے بہت پہلے ایک خواب دیکھا۔ اس وقت وہ ناندیڑ میں تھی۔ اس نے خط کے ذریعہ ہم کو اس خواب سے مطلع کیا۔ ام السلام نے خواب میں یہ دیکھا کہ راقم الحروف کی کتاب الاسلام یتحدیٰ انڈونیشیا کے صدر نے پڑھی ہے۔

بظاہر یہ خواب بالکل ناقابل قیاس تھا۔ تاہم اپنی عادت کے مطابق میں نے اس کو اپنی خواب کی ڈائری میں درج کر لیا۔ یہ خواب ام السلام نے جون ۱۹۷۸ میں دیکھا تھا۔ عجیب بات ہے کہ ۲۰ سال سے زیادہ مدت گزرنے کے بعد یہ خواب حیرت انگیز طور پر بالکل درست ثابت ہوا۔

جنوری ۲۰۰۰ کے آخر میں نئی دہلی میں واقع انڈونیشیا کے سفارت خانہ سے ہمارے دفتر میں ٹیلی فون آیا۔ سفارت خانہ کے ذمہ دار نے بتایا کہ انڈونیشیا کے موجودہ صدر پروفیسر عبدالرحمٰن وحید فروری میں انڈیا کے دورہ پر آنے والے ہیں۔ نئی دہلی کے قیام کے دوران وہ راقم الحروف سے ملنا چاہتے ہیں تاکہ وہ باہمی دلچسپی (mutual interest) کے موضوعات پر مجھ سے بات کر سکیں۔ اس ٹیلیفون کے بعد انڈونیشی سفارت خانہ کے دو ذمہ دار مجھ سے ملے اور ملاقات کا پروگرام طے کیا۔ چنانچہ ۹ فروری کی شام کو چار بجے راشٹرپتی بھون میں میری ملاقات انڈونیشیا کے صدر پروفیسر عبدالرحمٰن وحید سے ہوئی۔

میں نے کبھی انڈونیشیا کا سفر نہیں کیا۔ چند سال پہلے تک میں پروفیسر عبدالرحمٰن وحید کے نام سے بھی واقف نہ تھا۔ عالمی طور پر بھی وہ زیادہ معروف نہ تھے۔ جب وہ صدر بنے تو عرصہ تک میڈیا میں ان کا نام عبدالرحمٰن واحد آتا رہا۔ ان کا صدر مملکت بننا اس لئے بھی ناقابل قیاس تھا کہ وہ ایک مدت سے اپنی دونوں آنکھوں سے تقریباً معذور ہیں۔ مگر یہ ایک انوکھی بات ہے کہ اس قسم کا ایک آدمی انڈونیشیا کا صدر بنایا گیا۔

ملاقات کے بعد معلوم ہوا کہ صدر عبدالرحمٰن وحید نے عربی کی تعلیم جامعۃ الازہر قاہرہ میں حاصل کی ہے۔ وہاں انھوں نے میری دوسری کتابوں کے ساتھ الاسلام یتحدیٰ بھی پڑھی جس سے وہ بہت متاثر ہوئے۔ اس کے علاوہ وہ انگریزی زبان سے بھی بخوبی واقف ہیں۔

میری تحریروں کے مطالعہ کے ذریعہ وہ میرے خیالات سے واقف ہوئے۔ ملاقات کے دوران انھوں نے حاضرین میں سے ایک شخص سے میرے بارے میں کہا کہ بابری مسجد کے اِشو پر راقم الحروف نے جو موقف اختیار کیا وہ بہت جرأت مندانہ موقف تھا جس کی کوئی دوسری مثال موجودہ علماء میں مشکل سے ملے گی۔ ان کی اس بات سے اندازہ ہوا کہ وہ ہندستان کے انگریزی اخبارات میں چھپنے والے میرے مضامین سے بھی باخبر رہے ہیں۔ انھوں نے نہ صرف الاسلام یتحدی جیسی کتاب پڑھی ہے بلکہ وہ میری عام تحریروں سے بھی واقفیت رکھتے ہیں۔ اسی علمی واقفیت کی بنا پر انھیں مجھ سے دلچسپی ہوئی۔ انڈیا میں سرکاری سفر کے دوران اپنی غیر معمولی مصروفیتوں کے باوجود انھوں نے میرے لئے ملاقات کا وقت پیشگی طور پر طے کرایا جب کہ میں نے اس کی کوئی درخواست نہیں کی تھی۔

۱۹۷۸ کے ایک خواب کا ناقابل قیاس طور پر ۲۲ سال بعد پورا ہونا انتہائی عجیب ہے۔ یہ خواب بلاشبہہ خدا کی طرف سے تھا۔ کیونکہ خدائے عالم الغیب ہی کو ۱۹۷۸ میں اس واقعہ کی خبر ہو سکتی تھی جو مکمل طور پر مستقبل کی تاریکی میں چھپا ہوا تھا۔

حدیث کے مطابق، خواب کی تین قسمیں ہیں ـــــ تخویف الشیطان، (شیطان کا ڈراوا) حدیث النفس (دل کی بات) بشری من اللّٰہ (اللہ کی طرف سے بشارت)۔ مذکورہ خواب میں کوئی ڈراوے کی بات نہیں۔ اس لئے وہ تخویف الشیطان نہیں ہو سکتا۔ اس کو حدیث النفس بھی نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ ایک چیز جو سرے سے معلوم ہی نہ ہو وہ کسی کے دل کی بات کیسے ہو سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ خواب بلاشبہہ خدا کی ایک بشارت تھی۔ اس بات کی بشارت کہ یہ مشن عوام وخواص سب کے درمیان پھیلے گا حتی کہ وہ ملکی سرحد سے نکل کر بیرونی ملکوں تک پہنچ جائے گا۔

کردار کا کرشمہ

جناب اقبال احمد صاحب (پیدائش ۱۹۳۱) مراد آباد کے رہنے والے ہیں۔ وہ کلکٹریٹ کی سروس میں تھے۔ ۱۹۹۰ میں سینئر ایڈمنسٹریٹیو آفیسر کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے۔ اب وہ مراد آباد میں مقیم ہیں۔ (فون نمبر 0598-323029)

۱۴ فروری ۲۰۰۰ کو ان سے دہلی میں ملاقات ہوئی۔ انھوں نے اپنی زندگی کے کئی سبق آموز واقعات بتائے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے کہا کہ میں گورنمنٹ سروس میں تقریباً چالیس سال رہا۔ مگر مجھے کبھی اس قسم کی شکایت نہیں ہوئی جس کو عام طور پر تعصب کہا جاتا ہے۔ میں اپنے ذاتی تجربہ کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہم اسلامی کردار کے مطابق رہیں تو ہم ہر جگہ اور خود ہندستان میں نہایت عزت کے ساتھ زندگی گزار سکتے ہیں۔

مثلاً انھوں نے بتایا کہ مراد آباد کے کلکٹریٹ میں ۱۲ سال تک میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کا پیش کار رہا ہوں۔ وہاں مجھے مکمل آزادی حاصل تھی۔ اس مدت میں وہاں ۱۳ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بدلے مگر میں بدستور اپنی سیٹ پر قائم رہا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہر ایک میرے بارے میں اچھی رپورٹ دیتا تھا، اس لئے مجھ کو ہر آنے والے افسر سے وہی عزت ملی جو مجھے جانے والے افسر سے ملی تھی۔

انھوں نے بتایا کہ میرے خلاف لوگوں کی طرف سے اکثر بے بنیاد شکایتیں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے پاس آتی تھیں۔ لیکن انھوں نے کبھی ان پر دھیان نہیں دیا۔ اس کی وجہ صرف ایک تھی اور وہ جناب اقبال احمد صاحب کی کامل دیانت داری (honesty) تھی۔ سروس کی پوری مدت میں ان کا کردار اتنا اعلیٰ رہا کہ کسی کو ان کے خلاف کسی حقیقی شکایت کا موقع نہیں ملا۔

ایک بار ایسا ہوا کہ کلکٹریٹ کے کچھ ملازمین نے ان کے خلاف ایک تحریک چلائی۔ ان کو شکایت تھی کہ اقبال احمد صاحب کو یہاں اتنی عزت کیوں حاصل ہے کہ عام قاعدہ کے خلاف ان کا

کبھی تبادلہ نہیں ہوتا۔ وہ ایک ہی کرسی پر لمبی مدت سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ لوگ اس وقت کے A.D.M.(E) کے پاس آئے۔ انہوں نے ان سے کہا کہ حسب قاعدہ تین سال کے اندر ہر ایک کا تبادلہ کر دیا جاتا ہے مگر اقبال صاحب اپنی کرسی پر بدستور قائم ہیں۔ کیوں ان کا تبادلہ نہیں کیا جاتا۔ اے ڈی ایم مسٹر مہیشوری نے ان لوگوں سے کہا کہ آپ کا کہنا درست ہے ہم اقبال صاحب کا تبادلہ کر دیتے ہیں مگر آپ جانتے ہیں کہ ہم کو اقبال کی جگہ دوسرا اقبال چاہئے۔ وہ یہاں بیک وقت کئی آدمیوں کا کام کرتے ہیں۔ وہ اپنی ڈیوٹی کے حد درجہ پابند ہیں۔ وہ روزانہ تین ٹیلیفون کو سنبھالتے ہیں۔ ہم صرف اشارہ کر دیتے ہیں اور وہ انگریزی یا ہندی میں بہترین draft بنا کر ہمارے سامنے رکھ دیتے ہیں اور ہمارا کام صرف دستخط کرنا ہوتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ آپ ایک ایسا آدمی لائیے جو ان کی جگہ لے سکے۔ اس کے لئے ہم آپ کو دو دن کا وقت دیتے ہیں۔ مگر یہ شکایت کرنے والے ملازمین خود بھی اقبال صاحب کی اعلیٰ خصوصیات سے واقف تھے، چنانچہ وہ ان کی قائم مقامی کے لئے کسی اور آدمی کا نام پیش کرنے کی ہمت نہ کر سکے۔ اور اقبال احمد صاحب اپنی سروس پر اسی عزت کے ساتھ آخر وقت تک باقی رہے۔

زندگی میں کامیابی کا راز اعلیٰ کردار ہے۔ اعلیٰ کردار کامیابی کی یقینی ضمانت ہے۔ کوئی بھی تعصب یا سازش ایسے آدمی کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہو سکتی جو اعلیٰ کردار کی صفت اپنے اندر رکھتا ہو۔

اصل یہ ہے کہ ہر دفتر یا ہر ادارہ کو کارکنوں کی ضرورت ہے۔ اگر دس امیدوار ہوں اور سب کے سب برابر کی صلاحیت رکھتے ہوں تو ایسی حالت میں یہ ممکن ہے کہ انتخاب کرنے والے لوگ کسی ایک کے حق میں جانب داری کا معاملہ کریں اور نو برابر کو چھوڑ کر ایک برابر کو لے لیں۔ لیکن اگر ایسا ہو کہ ان میں سے نو افراد برابر کی صلاحیت رکھتے ہوں اور ایک امتیازی صلاحیت کا مالک ہو تو یقینی طور پر اسی ایک کے حق میں فیصلہ ہوگا جو امتیازی درجہ میں اپنی اہلیت کا ثبوت دے رہا ہے۔ کیوں کہ یہ ہر آدمی کی اپنی ضرورت ہے کہ اس کے پاس اعلیٰ درجہ کے کارکن موجود ہوں۔

امتیاز ہر تعصب اور جانب داری کی کاٹ ہے۔ صاحب امتیاز انسان کے لئے ہر سیٹ اس کی

اپنی سیٹ ہے۔ وہ جب چاہے جس سیٹ پر بیٹھ جائے۔ اسی حقیقت کو ایک انگریزی مقولہ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ "ٹاپ کی جگہ ہمیشہ خالی رہتی ہے": There is always room at the top.

اعلیٰ کردار کا کرشمہ صرف کچھ لوگوں کے لئے مخصوص نہیں۔ ہر آدمی یہ کرشمہ پیدا کر سکتا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ وہ اس کی ضروری قیمت ادا کرنے کے لئے تیار ہو۔

صاحب کرشمہ آدمی پیٹ سے پیدا نہیں ہوتا۔ وہ اپنی ذاتی محنت سے بنتا ہے۔ محنت اور لگن اور منصوبہ بند تیاری اس کی لازمی قیمت ہے۔ جو آدمی یہ قیمت ادا کرے وہ یقینی طور پر اعلیٰ کردار کا حامل انسان بن جائے گا جس کو کرشمہ ساز انسان کہا جاتا ہے۔ اور ٹاپ کی جگہ ہر دن ایسے اعلیٰ افراد کا انتظار کر رہی ہے۔ کریب (Crabbe) نے درست طور پر کہا ہے کہ: امتیاز ہر اس آدمی کے لئے قابل حصول ہے جو اس کے لئے کوشش کا ارادہ رکھتے ہوں:

Excellence is attainable by all who have the will to strive for it.

چند سال پہلے کی بات ہے۔ ایک صاحب کا ٹیلیفون میرے پاس آیا۔ انہوں نے خوشی کے لہجے میں کہا کہ آج مجھے غلامی کی زندگی سے نجات مل گئی۔ مزید پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ اب میں گورنمنٹ سروس سے ریٹائر ہو چکا ہوں۔ اب میں اس قابل ہو گیا ہوں کہ آزاد زندگی گذاروں۔

اصل یہ ہے کہ ہر انسان کے اندر سب سے طاقتور جذبہ انا (Ego) کا جذبہ ہے۔ عام زندگی میں آدمی جو کچھ کرتا ہے آزادانہ طور پر کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں کسی کا پابند نہیں۔ مگر سرکاری ملازمت میں آدمی کو اپنے افسر کا اور دوسرے ملازمین کا لحاظ کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے ملازمت کی زندگی اس کو پابندی کی زندگی دکھائی دیتی ہے۔ آزاد پیشے میں اس کی انا مجروح نہیں ہوتی۔ مگر سرکاری ملازمت میں بار بار اس کو اپنی انا مجروح ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

آدمی آزاد پیشے میں بھی کام کرتا ہے اور ملازمت میں بھی۔ اگر اس کا شعور اس طرح زندہ ہو کہ وہ چیزوں کو انا کا مسئلہ نہ بنائے تو ملازمت کی زندگی بھی اس کو اسی طرح باعزت زندگی نظر آئے گی جس طرح آزاد پیشہ اس کو باعزت زندگی معلوم ہوتا ہے۔

جنت کا استحقاق

جنت بے حد عظیم نعمت ہے۔ وہ بے حد مہنگی قیمت پر کسی کو ملے گی۔ بہت تھوڑے خوش نصیب لوگ ہوں گے جو جنت کی لطیف دنیا میں بسائے جانے کے قابل ٹھہریں۔

جنت میں داخلہ کا پہلا امتحان یہ ہے کہ آدمی معرفت کے درجہ میں اپنے رب کو پائے۔ افکار و خیالات کے جنگل میں وہ سچائی کو دریافت کرے۔ وہ نہ دکھائی دینے والے واقعہ کو دیکھے۔ وہ نہ محسوس ہونے والی چیز کو محسوس کرے۔ وہ ظاہری ہنگاموں سے گزر کر باطن کی دنیا کا مسافر بن جائے۔

اسی طرح جنت میں داخلہ کی شرط یہ ہے کہ آدمی سرکشی کا اختیار رکھتے ہوئے اپنے آپ کو خدا کے آگے جھکادے۔ خود پرست بننے کے تمام محرکات کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ سچا خدا پرست بن جائے۔ کشش اور جاذبیت کے بے شمار مراکز سے منہ موڑ کر وہ ہمہ تن خدا کی طرف متوجہ ہو جائے۔

اسی طرح جنت میں داخلہ صرف اس شخص کے لئے ممکن ہوگا جو منفی حالات کے درمیان ہمیشہ مثبت ذہن پر قائم رہے۔ جو اپنے سینے میں اٹھنے والے حسد اور گھمنڈ اور انتقام جیسے جذبات کو دفن کر کے یک طرفہ طور پر لوگوں کے لئے شفقت اور خیر خواہی کا پیکر بن جائے۔ جو ظلم اور بے انصافی کے مواقع کو پانے کے باوجود انہیں استعمال نہ کرے اور ہر حال میں اپنے آپ کو عدل و انصاف کا پابند بنالے۔

جنت ایک نفیس ترین خدائی کالونی ہے۔ اس نفیس کالونی میں صرف وہی روحیں داخل ہوں گی جو آخرت میں اس طرح پہنچیں کہ دنیا میں انہوں نے اپنے اوپر تطہیر کا عمل کر لیا تھا۔

موجودہ دنیا امتحان کی دنیا ہے۔ یہاں ہر آدمی کثیف شخصیت کے ساتھ پیدا کیا جاتا ہے۔ اب ہر آدمی کو یہ کرنا ہے کہ وہ اپنی ذات پر خود تطہیری کا ایک مسلسل عمل شروع کرے۔ یہاں تک

کہ اس کی کثیف شخصیت پاک وصاف ہو کر لطیف شخصیت میں بدل جائے۔

جنتی انسان وہ انسان ہے جو کانٹوں کے درمیان پھول بن کر رہے۔ جو اندھیروں کے درمیان روشنی کا مینار بن سکے۔ جو زلزلوں اور طوفانوں کے درمیان سکون کا راز پالے۔ جو نفرتوں کے درمیان محبت کا ثبوت دے۔ جو لوگوں کی زیادتیوں کے باوجود یک طرفہ طور پر انہیں معاف کردے۔ جو کھونے میں بھی پانے کا تجربہ کرے۔

جنتی انسان وہ ہے جو بظاہر خدا سے دور ہوتے ہوئے بھی خدا سے قریب ہو گیا ہو۔ جو سورج کی شعاعوں میں خدا کے نور کو دیکھے۔ جو ہواؤں کے جھونکے میں لمسِ ربانی کا تجربہ کرے۔ جو پہاڑوں کی بلندی میں خدا کی عظمت کا تعارف حاصل کر سکے۔ جو دریاؤں کی روانی میں خدا کی رحمت کا مشاہدہ کرے۔ جو مخلوقات کے آئینہ میں خالق کا جلوہ دیکھنے لگے۔

خدا نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ یہ بتا دیا ہے کہ جنتی انسان کی صفات کیا ہوتی ہیں۔ جو لوگ دنیا کی زندگی میں اپنے اندر جنتی صفات پیدا کریں، وہ موت کے بعد جنت میں داخلہ کے مستحق قرار پائیں گے۔

جنت میں داخلہ نہ کسی سفارش کی بنیاد پر ہوگا، نہ کسی کے ساتھ نسبت کی بنیاد پر اور نہ کسی پراسرار عملیات کی بنیاد پر۔ جنت میں داخلہ پوری طرح معلوم حقیقت پر مبنی ہے۔ اور وہ یہ کہ جو آدمی موجودہ دنیا میں اپنے قول و عمل کے اعتبار سے جنتی انسان بن کر رہے گا، وہ آخرت کی جنت میں داخلہ پائے گا۔

قرآن کے مطابق، جنت اہل تزکیہ کے لئے ہے۔ تزکیہ یہ ہے کہ آدمی غفلت کی زندگی کو ترک کرے اور شعور کی زندگی کو اپنائے۔ وہ اپنے آپ کو ان چیزوں سے بچائے جو حق سے روکنے والی ہیں۔ مصلحت کی رکاوٹ سامنے آئے تو اس کو نظر انداز کر دے۔ نفس کی خواہش ابھرے تو وہ اس کو کچل دے۔ ظلم اور گھمنڈ کی نفسیات جاگے تو وہ اس کو اپنے اندر دفن کر دے۔

بڑا کام

امام طبرانی (۳۶۰۔۲۶۰ھ) مشہور محدث ہیں۔ وہ شام میں پیدا ہوئے اور اصفہان میں وفات پائی۔ انھوں نے المعجم الکبیر میں ایک مفصل روایت عبداللہ بن عباسؓ کے واسطہ سے نقل کی ہے۔ اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں:

ثم جاء ته يعني النبي ﷺ امرأة، فقالت اني رسول النساء اليك، وما منهن امراة علمت او لم تعلم الا وهي تهوى مخرجي اليك، الله رب الرجال والنساء والاهُهن، وانت رسول الله الى الرجال والنساء كتب الله الجهاد على الرجال فان اصابوا اجروا، وان استشهدوا كانوا احياء عند ربّهم يرزقون، فما يعدل ذالك من اعمالهم من الطاعة؟ قال طاعة ازواجهن و المعرفة بحقوقهم، وقليل منكن من يفعله.

پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک عورت آئی۔ اس نے کہا کہ میں عورتوں کی طرف سے بھیجی ہوئی آپ کے پاس آئی ہوں۔ اور ہر عورت خواہ وہ جانتی ہو یا نہ جانتی ہو، وہ چاہتی ہے کہ میں آپ سے مل کر معلوم کروں۔ اللہ مردوں کا رب بھی ہے اور عورتوں کا رب بھی۔ اور آپ مردوں کے پیغمبر بھی ہیں اور عورتوں کے پیغمبر بھی۔ اللہ نے مردوں کے لئے جہاد لکھا ہے۔ اگر وہ جہاد کریں تو اجر پائیں اور اگر شہید ہو جائیں تو وہ اپنے رب کے پاس زندہ رہیں اور رزق پائیں۔ پھر عورتوں کے لئے اس عمل کے برابر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ان کا عمل یہ ہے کہ وہ اپنے شوہروں کی اطاعت کریں اور ان کے حقوق کو پہچانیں۔ لیکن تم میں بہت کم عورتیں ہیں جو ایسا کرتی ہیں۔

جنگ کے میدان میں لڑنا وہ کام ہے جو آدمی کو فوراً نمایاں کر دیتا ہے۔ اس کے برعکس گھر کی چہار دیواری کے اندر روزمرّہ کی ذمہ داریوں کو ادا کرنا ایک ایسا کام ہے جو کسی کے لئے شہرت کا باعث نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ پہلے کام کی طرف فوراً راغب ہو جاتے ہیں، مگر دوسرے

کام میں وہ اپنے آپ کو وقف کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

کمزوری کی یہ قسم عورتوں میں بھی پائی جاتی ہے اور مردوں میں بھی۔ لوگ پُرعظمت کاموں کی طرف دوڑتے ہیں۔ وہ اونچے اونچے منصوبوں پر تقریریں کرتے ہیں۔ مگر وہ کام جو بظاہر چھوٹے نظر آئیں، جن میں شہرت و عظمت کی چاشنی نہ ہو، ان کے بارہ میں وہ بے رغبت بنے رہتے ہیں۔ حالاں کہ اصل کام یہ ہے کہ آدمی اپنی قریبی ذمہ داری کو ادا کرے، خواہ وہ بظاہر کتنی ہی معمولی کیوں نہ دکھائی دیتی ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ زندگی کے دو بڑے محاذ ہیں۔ ایک خارجی اور دوسرا داخلی۔ دونوں یکساں طور پر اہم ہیں۔ ان میں سے کوئی نہ کم ہے اور نہ زیادہ، نہ کوئی افضل ہے اور نہ کوئی غیر افضل۔ زندگی کی صحت مند تعمیر کے لئے ضروری ہے کہ دونوں محاذوں پر حسن خوبی کے ساتھ عمل کیا جائے۔

خالق نے اسی تخلیقی نقشہ کے مطابق مرد کو خارجی کام کے لئے پیدا کیا ہے اور عورت کو داخلی کام کے لئے۔ خالق نے مرد کو وہ صفات دی ہیں جن کے ذریعہ وہ خارجی کام کو بہتر طور پر انجام دے۔ اسی طرح خالق نے عورت کو وہ مخصوص صفات دی ہیں جو داخلی کام کو بہتر طور پر انجام دینے کے لئے ضروری ہیں۔ جس طرح عمل میں تقسیم کا اصول ہے اسی طرح دونوں جنسوں کی فطری صلاحیت میں بھی تقسیم کے اصول کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

عمل میں تقسیم کا یہ اصول خود خالقِ فطرت نے قائم کیا ہے۔ وہ کسی سماج کا عائد کیا ہوا نہیں۔ ایسی حالت میں تقسیم کے اس نقشہ کو توڑنا سادہ طور پر صرف کسی سماجی روایت کو توڑنا نہیں ہے۔ وہ خود فطرت کے نقشہ کو توڑنا ہے۔ اور فطرت کے نقشہ کو توڑنے کی طاقت کسی میں بھی نہیں۔

ایسی حالت میں ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ فطرت کے نقشہ کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے مطابق سماج کا نظام بنائیں، یعنی وہی اصول جس کو ہم نے اپنے دوسرے معاملات میں ہمیشہ سے اختیار کر رکھا ہے۔

بمبئی کا سفر

میرے بھتیجے شکیل احمد خان انجینئر دوبئی میں رہتے ہیں۔ان کے صاحبزادے جاوید میاں کی شادی ۱۷ جون ۱۹۹۵ کو بمبئی میں ہوئی۔ میں شادیوں کی تقریب میں بالکل شریک نہیں ہوتا۔ لوگ بلاتے ہیں تو خاموشی سے ان کے حق میں دعا کر دیتا ہوں اور بس۔ مگر شدید اصرار کی بنا پر مجھے اس تقریب میں شریک ہونا پڑا۔اس سفر کے دوران جو مختلف تجربات ہوئے،ان کی مختصر روداد یہاں درج کی جاتی ہے۔

۱۶ جون ۱۹۹۵ کو دہلی سے بمبئی کے لئے انڈین ایرلائنز کی فلائٹ ۴۰۵ کے ذریعہ روانگی ہوئی۔ جہاز کا مقررہ وقت ساڑھے پانچ بجے تھا۔ مگر جہاز پون گھنٹہ کی تاخیر سے روانہ ہوا۔

راستہ میں اس چیز کا تجربہ پیش آیا جس کو عام طور پر ایئر پاکٹ کہا جاتا ہے۔ جہاز جھٹکے کے ساتھ نیچے اوپر ہونے لگا۔ایک بار ایسا محسوس ہوا جیسے کہ پورا جہاز اچانک دھم سے نیچے آگیا ہو۔ مسافروں کی چیخیں نکل گئیں۔ میں بیٹھا ہوا خاموشی کے ساتھ دعائیں پڑھتا رہا۔ چار منٹ کے بعد اعلان ہوا کہ مسافر اپنی سیفٹی بیلٹ کھول لیں۔ اس کے بعد جہاز حسب معمول پر سکون طور پر پرواز کرنے لگا۔انڈین ایرلائنز کا فلائٹ میگزین سواگت (جون ۱۹۹۵) دیکھا۔اس کے صفحہ اول پر لکھنؤ کے بڑے امام باڑہ کی مسجد کی رنگین تصویر چھپی ہوئی تھی۔ اندر لکھنؤ کے تاریخی آثار کے بارہ میں ایک تفصیلی اور باتصویر مضمون تھا۔اس میں سب کے سب مسلم دور کے آثار تھے۔ مضمون کے آخر میں درج تھا کہ لکھنؤ ملک کے تمام بڑے شہروں سے ہوائی جہاز اور ٹرین اور روڈویز کے ذریعہ جڑا ہوا ہے۔انڈین ایرلائنز روزانہ لکھنؤ کے لئے پرواز کرتی ہے:

Lucknow is connected by air and rail with all major Indian cities. Indian Airlines have daily flights. (p. 16)

مضمون کے آخر میں یہ جملہ سیاحوں کے اعتبار سے تھا۔ مسلم دور سلطنت کی تاریخی

یادگاروں کی حیثیت پہلے مسلم یادگار کی تھی۔ اب ان کی حیثیت سیاحوں کے مراکز کشش کی ہو گئی ہے۔

میگزین کے ہندی حصہ میں لکھنؤ کی روایتی کبوتر بازی پر بھی ایک مضمون تھا۔ اس کا عنوان تھا "شوقیہ کبوتر بازی"۔

میگزین میں ایک اور لمبا با تصویر مضمون مانڈو کے بارے میں تھا۔ یہ ۱۴۔۱۵ ویں صدی میں مسلم مالوہ سلطنت کا مرکز تھا۔ یہاں مسلم عہد کی یادگاریں تقریباً پندرہ کیلو میٹر کے رقبہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔ مانڈو میں ایک بہت بڑی مسجد ہے جو ۱۴۵۴ء میں بنائی گئی تھی۔ مضمون نگار نے اپنے مانڈو کے سفر کی روداد کے تحت لکھا تھا:

On your right you see the Jama Masjid (1454) which is one of the biggest such medieval structures with its huge colonnades, of elegant arches and pillars and domes of different dimensions. (p. 87)

انگریزی روزنامہ ٹرڈے (۱۶ جون ۱۹۹۵) کے صفحہ اول پر ایک خبر آئیڈنٹٹی کارڈ کے بارہ میں تھی۔ اخبار مذکورہ نے ایک سینیر افسر کے حوالے سے لکھا تھا کہ دہلی کے ۲۷ لاکھ آئیڈنٹٹی کارڈوں میں گیارہ لاکھ سے اوپر ناقص تھے۔ اس کی تردید کرتے ہوئے دہلی کے چیف الکٹورل افسر مسٹر ٹی جوزف نے کہا کہ ناقص کارڈوں کی تعداد ایک لاکھ سے کم تھی۔

یہ تردید مجھے غلط معلوم ہوتی ہے۔ میں خود دہلی کا رہنے والا ہوں۔ میں نے اور میرے گھر والوں نے متعلقہ دفتر جا کر فارم پُر کیا اور تصویر کھنچوائی۔ مگر مہینوں گزر جانے کے باوجود اب تک ہمیں آئیڈنٹٹی کارڈ نہیں ملا۔

آئیڈنٹٹی کارڈ کا اشو کھڑا کر کے مسٹر ٹی، این سیشن (چیف الکٹورل کمشنر) ملک میں ہیرو بن گئے۔ مگر ایک سو کروڑ روپیہ خرچ کرنے کے بعد جو کارڈ تیار ہوئے ان میں زیادہ تر ناقص تھے۔ اور بہت سے تو ووٹروں کو سرے سے ملے ہی نہیں۔ جن میں سے ایک میری فیملی بھی شامل ہے۔

جہاز میں ایک معمر خاتون نے سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلہ کا ذکر کیا اور کہا کہ اسلام

میں عورتوں کے لئے جو قوانین ہیں وہ قابل اصلاح ہیں۔ پھر ملّا لوگ اصلاح کی مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ کیا آپ لوگ چاہتے ہیں کہ عورتیں بس کچن میں پڑی رہیں۔

میں نے کہا کہ اسلام میں عزت اور حقوق کے اعتبار سے عورت اور مرد میں کوئی فرق نہیں۔ البتہ پلیس (مقام عمل) دونوں کا الگ الگ ہے۔ اور یہ بالکل فطری ہے۔ چنانچہ جو عورتیں آزادی کے نظریہ کے تحت گھر سے باہر آتی ہیں وہ بھی باہر آکر عملی اعتبار سے اپنے ہی دائرہ کار میں رہتی ہیں۔ آپ دیکھئے، جہاز کے اندر جو عورتیں (ایر ہاسٹس) ہیں وہ یہاں آکر بھی تو کچن ہی کا کام سنبھالے ہوئے ہیں۔ یہی حال ساری دنیا میں عورتوں کا ہے۔ آزادئ نسواں کی تحریک کا نعرہ ہے کہ عورتو، کافی نہ بناؤ، پالیسی بناؤ۔ مگر اصلاً اس کے سوا کوئی فرق نہیں کہ پہلے وہ گھر کی کافی بناتی تھیں، اب جہاز کی کافی بنا رہی ہیں۔ پالیسی بنانا اب بھی ساری دنیا میں مردوں ہی کے ہاتھ میں ہے۔

امریکہ میں ایک ادارہ ہے جس کا نام ہے انٹرنیشنل ایر لائن پیسنجرس اسوسی ایشن (IAPA)۔ کچھ عرصہ پہلے اس نے یہ بیان دیا کہ ہندستانی پائلٹ ضروری تربیت اور ڈسپلن سے محروم ہیں جو نئے قسم کے ہوائی جہازوں کو چلانے کے لئے ضروری ہے:

Indian pilots lack necessary training and discipline to cope with the new generation aircraft's technology.

اس پر ہندستانی حلقوں میں بہت شور وغل ہوا۔ ایک صاحب نے تبصرہ کیا کہ مذکورہ ادارہ نے یہ بات محض اپنا انشورنس بزنس بڑھانے کے لئے کہی ہے۔ ایک پائلٹ نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ جدید طرز کے تمام جہاز تمام تر کمپیوٹر پر ہوتے ہیں۔ ان کو چلانا تو بہت آسان ہے۔ پائلٹ کو آنکھ بند کر کے صرف کمپیوٹر کی پیروی کرنا ہوتا ہے۔ اور اگر جہاز میں کوئی پرابلم پیدا ہو جائے تو کمپیوٹر فوراً اس پرابلم کو بتاتا ہے اور وہی اس کا حل بھی تجویز کرتا ہے۔ تاہم مذکورہ ادارہ نے اپنے بیان کو واپس نہیں لیا۔

بمبئی ایر پورٹ پر میرے بھتیجے اظفر خاں کے علاوہ جناب ایم اے صدیقی، جناب اقبال احمد، جناب فاروق فیصل صاحبان موجود تھے۔ مسافروں کی اکثریت اپنے سامان کے لئے کنویر

بیلٹ کے سامنے بھیڑ لگا کر کھڑی ہو گئی۔ میرے ساتھ صرف ایک دستی بیگ تھا۔ میں رکے بغیر چلتا ہوا باہر آ گیا۔ ساتھیوں کے ہمراہ روانہ ہو کر ہوٹل میٹرو پیلیس پہنچا۔ یہاں کمرہ نمبر ۳۰۳ میں قیام تھا۔

ہوٹل کا کمرہ مسلسل ایک اجتماع گاہ بنا رہا۔ رات اور دن ہر وقت لوگ آتے رہے اور ان سے دینی اور ملی موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ ہوٹل کے کچھ کارکن یہ سمجھے کہ یہاں کوئی "بزرگ" آ کر ٹھہرے ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ بار بار آ کر یہ کہتے رہے کہ میرے لئے دعا کیجئے۔

شادی کی وجہ سے میرے اکثر رشتہ دار اور عزیز بمبئی میں اکٹھا ہو گئے تھے۔ تاہم ان سے میری گفتگو خاندانی انداز کی کم اور مشن کے انداز کی زیادہ ہوئی۔ میرے بھائی عبد الحیط خاں (ریٹائرڈ جوائنٹ ڈائرکٹر) فیض آباد سے آئے تھے۔ وہ تقریباً شروع سے الرسالہ کی ایجنسی چلاتے ہیں۔ ایک صاحب سے ان کا تعارف کراتے ہوئے میں نے کہا: یہ میرے بھائی بھی ہیں اور الرسالہ برادری کے ایک مستقل ممبر بھی۔

حسین احمد خاں صاحب پہلے مغربی طرز پر رہتے تھے اور ہمارے خاندان میں "الٹرا ماڈرن" مشہور تھے۔ ان کی والدہ صدیقہ خانم جو بہت مذہبی تھیں، ہمیشہ ان کے بارہ میں تشویش میں مبتلا رہتی تھیں۔ مگر یہاں ان کے چہرہ پر خوبصورت سفید داڑھی دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اب وہ پوری طرح دین دار بن چکے ہیں۔ ایک موقع پر میں نے ان کی ترقی کی دعا کی تو انھوں نے کہا: آپ تو بس ہماری آخرت کے لئے دعا کیجئے۔

انسان ایک سوچنے والی مخلوق ہے۔ انسان کے بارہ میں کبھی مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ کچھ نہیں معلوم کہ کب اس کا ذہن بدلے اور اس کے اندر انقلاب آ جائے۔

عبد الحیط خاں انجینئر (۶۵ سال) نے اپنی تعلیم کے زمانہ کے کئی سبق آموز قصے بتائے۔ ۱۹۵۳ میں وہ بنارس ہندو یونیورسٹی میں انجینیرنگ کالج کے طالب علم تھے۔ ایک روز شہر میں وہ اپنی بہن (طیبہ مرحومہ) سے ملنے کے لئے گئے۔ واپس ہوئے تو رات کے گیارہ بج چکے تھے۔

یونیورسٹی گیٹ پر چوکیدار نے انھیں روکا۔ کیوں کہ قاعدہ یہ تھا کہ طالب علم تحریری اجازت کے بغیر ۹ بجے رات سے زیادہ باہر نہیں رہ سکتا۔ اگر وہ بلا اجازت تاخیر کرے گا تو اس پر پچاس روپیہ جرمانہ ہوگا جو ۱۹۵۳ میں ایک طالب علم کے لئے بڑی رقم تھی۔

چوکیدار نے رپورٹ کر دی۔ اگلے دن صبح کو وہ یونیورسٹی کے پراکٹر مسٹر وی پی پانڈے کے یہاں حاضر ہوئے۔ وہ گھبرائے ہوئے تھے کہ کہیں ان کے خلاف کوئی سخت ایکشن نہ لیا جائے۔ مگر مسٹر پانڈے نے ان کے بیان کو فوراً مان لیا اور کہا کہ میں تم کو جانتا ہوں تمہارا بیان ہی ہمارے اطمینان کے لئے کافی ہے۔

عبد المحیط خاں صاحب انجینئر نے زمانہ کے فرق کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ ۱۹۵۰ میں میں اعظم گڈھ شبلی انٹر کالج میں پڑھتا تھا۔ میرے ایک ساتھی کا نام چندر بلی تھا۔ وہ ہندو رواج کے مطابق جنیو پہنتا تھا۔ ایک روز میں نے کہا کہ یہ کیا بے کار کا دھاگا تم لٹکائے رہتے ہو۔ یہ کہہ کر میں نے جنیو کو جھٹکے کے ساتھ کھینچا یہاں تک کہ وہ ٹوٹ گیا۔ چندر بلی نے غصہ نہیں کیا بلکہ کہا: "بھیوا، دوسرا کوئی ایسا کرتا تو آج میں اس کا خون کر دیتا" یہ مسٹر چندر بلی اب کیمیکل انجینئر ہیں اور گوالیار میں رہتے ہیں۔

یہ ۱۹۵۰ کی بات ہے۔ مگر آج کوئی مسلمان کسی ہندو کا جنیو نہیں توڑ سکتا۔ کل اور آج میں کتنا زیادہ فرق آچکا ہے۔

حسین احمد خاں صاحب پہلے بمبئی میں ایک دواساز ادارہ میں بڑے افسر تھے۔ ایک بار وہ بمبئی میں ایک مسلمان سے ملے۔ انھوں نے اپنا کارڈ دیا جس پر ان کا نام اس طرح چھپا ہوا تھا (Husain A. Khan)۔ یہ مسلمان خود اپنا نام مخفف صورت میں اس طرح لکھتے تھے جس سے مذہب کا اندازہ نہ ہو، (جیسے آر این باگڑ)۔ چنانچہ انھوں نے حسین صاحب کا کارڈ دیکھ کر تعجب کے ساتھ کہا: ایسا کھلا کھلا لکھ دیتے ہیں آپ، اس سے آپ کو کوئی پرابلم نہیں آتا"۔ حسین احمد صاحب نے کہا کہ نہیں، بلکہ مجھے تو اب تک اس سے فائدہ ہی ہوا ہے۔

حسین صاحب نے بتایا کہ بمبئی کی تین فرموں میں انھوں نے اچھے عہدہ پر کام کیا ہے۔ ہر جگہ انھیں ہمیشہ احترام ہی ملا ہے۔ انھوں نے اس کی کچھ تفصیلات بتائیں۔

شادی کے سلسلہ میں ایک انجینئر صاحب لکھنؤ سے آئے تھے۔ ان سے ہوٹل میں ملاقات ہوئی تو وہ سخت مشتعل ہوگئے۔ انھوں نے کہا کہ جن لوگوں کی دعوت پر آپ لکھنؤ (اپریل ۱۹۹۵) گئے تھے، آپ جانتے ہیں کہ وہ کون لوگ ہیں۔ وہ اسلام دشمن لوگ ہیں۔ ان کے بلانے پر آپ لکھنؤ پہنچ گئے اور ان کے پراگرام میں شرکت کی.....

وہ نہایت غصہ کی حالت میں دیر تک زور زور سے بولتے رہے۔ آخر میں میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں اور کافروں کے پاس جاتے تھے جو کہ خدا کے اور اس کے دین کے دشمن تھے۔ اگر آپ ان کے پاس نہ جاتے تو لوگوں تک حق کا پیغام کس طرح پہنچتا۔ آپ کو یہ نہیں دیکھنا چاہئے کہ کن لوگوں کی دعوت پر گئے۔ بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ وہاں جاکر کیا بات کہی۔

میں نے کہا کہ ان لوگوں نے لکھنؤ کے گنگا پرشاد میموریل ہال میں ۱۶ اپریل ۱۹۹۵ کو میرا پروگرام رکھا تھا۔ اس کا عنوان تھا: ہندستانی مسلمانوں کے مسائل کا حل سیرت نبوی کے آئینہ میں۔ اس کو آپ اشتہارات میں اور لکھنؤ کے روزنامہ قومی آواز (۱۵ اپریل ۱۹۹۵) میں دیکھ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ میری تقریر کا مکمل ٹیپ بھی موجود ہے۔ ندوہ کے بہت سے طلبہ اس جلسہ میں شریک تھے، ان سے بھی آپ پوچھ سکتے ہیں کہ میں نے اپنی تقریر میں کیا کہا۔

مذکورہ قسم کی سوچ صرف تنگ نظری کی پیداوار ہے۔ اس کا کوئی تعلق اسلام سے نہیں۔ حتی کہ اس کا تعلق عقل سے بھی نہیں۔

شکیل احمد خاں اور حسین احمد خاں دونوں میرے قریبی عزیز ہیں۔ وہ دبئی سے آئے تھے۔ حسین احمد صاحب نے بتایا کہ ہمارے ساتھ سونے کے زیورات تھے جن کی مالیت لاکھوں روپیہ کی تھی۔ ہم نے طے کر لیا تھا کہ ایرپورٹ پر کوئی چیز نہیں چھپائیں گے بلکہ صاف صاف بتادیں گے۔ چنانچہ انھوں نے کسٹم والوں کو بتادیا کہ ہمارے پاس فلاں فلاں زیورات ہیں۔ انھوں نے

پوچھا کہ اتنے زیادہ زیورات آپ کس لئے لائے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ ہمارے لڑکے کی شادی ہے۔ اس میں دینے کے لئے ہم یہ زیورات لائے ہیں۔ اس صاف گوئی کا اثر کسٹم کے عملہ پر اتنا زیادہ ہوا کہ اس نے ان حضرات کے سامان تک نہیں کھلوائے اور کہا کہ کوئی حرج نہیں، جایئے۔ آپ کی شادی کی خوشیوں میں ہم بھی آپ کے ساتھ شریک ہیں۔

بمبئی کے اردو ہفت روزہ بلٹز نے اپنے شمارہ ۲۰ مئی ۱۹۹۵ میں میرا ایک انٹرویو شائع کیا تھا۔ ایک صاحب نے اس کا ایک نسخہ لا کر دیا۔ یہ انٹرویو مسٹر پرویز حفیظ نے کلکتہ میں لیا تھا۔ انٹرویو کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے مسائل کی واحد ذمہ داری نااہل مسلم لیڈر شپ پر ہے۔ انھوں نے مسلمانوں کو بار بار ٹکراؤ کے راستہ پر چلا کر تباہ کیا۔ ان کو خود تو لیڈری ملتی رہی۔ اور مسلمان اپنی تباہی کی صورت میں اس کی مہنگی قیمت ادا کرتے رہے۔

ڈاکٹر انصار پیش امام (ملت نگر، بمبئی) نے اپنا تاثر بتاتے ہوئے کہا کہ اب الرسالہ کی مخالفت کہاں ہے۔ جو لوگ پہلے تنقید کرتے تھے وہ خود اب الرسالہ کی پالیسی کے مطابق، اعراض کا طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں (روایت جناب فاروق فیصل صاحب)

اس قسم کی باتیں کئی لوگوں نے کہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ چند سالوں کے اندر مسلم نقطۂ نظر میں اتنا زیادہ فرق آچکا ہے کہ اس کو ہر جگہ واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔

اسی فرق کا یہ نتیجہ ہے کہ آج بر سر عام ایسی باتیں کہی جانے لگی ہیں جو کہ پہلے نجی مجلسوں میں بھی قابل برداشت نہیں ہوتی تھیں۔ بمبئی میں "قیادت" کے مسئلہ پر ایک سیمنار ہوا۔ اس میں تقریر کرتے ہوئے جسٹس قاضی صاحب نے کہا کہ بابری مسجد کو کسی اور نے نہیں گرایا۔ اس کو نام نہاد مسلم قائدین نے گرایا۔ وہ خم ٹھونک کر یہ کہتے رہے کہ مسجد کو گرا کر دیکھو۔ اس طرح انھوں نے فریق ثانی کو جوش دلایا اور انھوں نے جذبات میں بھڑک کر اس کو گرا دیا۔

ایک صاحب نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے کہا کہ: اس قسم کے انتہائی واقعات ہمیشہ اشتعال کی حالت میں ہوئے ہیں۔ اگر لوگوں کو اشتعال نہ دلایا جائے تو ایسے واقعات کبھی نہیں ہوں گے۔

جناب ایم اے صدیقی الرسالہ کے مستقل قاری ہیں۔ وہ مسٹر محمد علی جناح کے ساتھ رہ چکے ہیں۔ اب وہ الرسالہ سے پوری طرح اتفاق کرتے ہیں۔ جناب فاروق فیصل صاحب نے ان کا ایک تاثر انھیں کے الفاظ میں اس طرح لکھ کر مجھے دیا: "مسٹر جناح کی شخصیت کے کئی پہلو قابل اعتراض ہیں۔ لیکن یہ مولانا وحید الدین صاحب کی اعلیٰ ظرفی ہے کہ انھوں نے سوائے دو قومی نظریہ کے کبھی ان کے کسی اور پہلو پر اعتراض نہیں کیا"۔

الرسالہ پڑھنے والوں کے اندر کس قسم کا ذہن بنتا ہے، اس کا اندازہ ایک چھوٹے سے واقعہ سے ہوتا ہے۔ الرسالہ کے ایک سفر نامہ میں ایک بار چھپا تھا کہ جہاز میں قواعد سفر کا اعلان کرتے ہوئے اناونسر نے کہا کہ اس کو غور سے سنئے، اگرچہ آپ ایک مستقل مسافر ہوں:

Listen it carefully even if you are a regular traveller.

جناب فاروق فیصل صاحب نے بتایا کہ ایک روز وہ قرآن پڑھ رہے تھے۔ اس دوران اچانک انھیں مذکورہ فقرہ یاد آیا۔ انھوں نے اپنے دل میں کہا کہ اس کتاب کو احتیاط کے ساتھ پڑھو، اگرچہ تم اس کے مستقل قاری ہو:

Read it carefully even if you are a regular reader.

جسٹس قاضی صاحب کی رہائش گاہ پر کچھ لوگ جمع تھے۔ وہاں میں نے جنت کی تشریح میں کچھ باتیں کہیں۔ ایک بات یہ تھی کہ جنت میں بورڈم کبھی نہیں ہوگا۔ وہاں کی لذتوں سے آدمی پورے طور پر محظوظ ہوتا رہے گا۔

قرآن میں ہے کہ جن لوگوں نے بھلائی کی ان کے لئے بھلائی ہے اور زیادہ بھی (یونس ۲۶) حدیث کے مطابق زیادہ سے مراد ان کو دیکھنا ہے (النظر الی وجه الرحمٰن) القرطبی ۸/۳۳۰۔

ہمارا تجربہ بتاتا ہے کہ لذت کمال نو کی دریافت میں ہے۔ حدیث میں ہے کہ اہل جنت ہر

قسم کی نعمتوں میں ہوں گے۔ اس کے بعد انھیں اللہ کی ایک تجلی دکھائی جائے گی۔ وہ اتنی پر مسرت ہوگی کہ اہل جنت اس کو دیکھ کر دوسری نعمتوں کو بھول جائیں گے۔ اس طرح ابدی طور پر ہوتا رہے گا (مشکاۃ المصابیح ۳/ ۱۵۷۴)

اس طرح اہل جنت کو خالقِ کائنات کے لامتناہی جلوے بار بار دکھائے جاتے رہیں گے۔ یہ نئے نئے تجربات انھیں کبھی بورڈم کا احساس نہیں ہونے دیں گے۔

جسٹس قاضی کی اہلیہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ قاضی صاحب نے بتایا کہ وہ اکثر مجھ کو نصیحت کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ: دولت مند کوئی شخص اچانک بھی بن سکتا ہے۔ مگر صاحب علم بننا برسہا برس کی کاوشوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔

جسٹس قاضی نے مارک ٹوین کا ایک قول اس طرح بتایا کہ خاموشی ایک ناقابل برداشت جواب ہے:

Silence is unbearable repartee.

ایک صاحب سے الرسالہ مشن کی وضاحت کرتے ہوئے میں نے کہا کہ مسٹر جناح سے لے کر مسٹر شہاب تک ہمارے لیڈروں نے جو سیاست چلائی، اس کے نتیجہ میں مسلمان اس ملک میں ایک قسم کا پروٹسٹنٹ گروپ بن گئے ہیں۔ ہماری کوشش ہے کہ مسلمانوں کو اس ملک میں حقیقی معنوں میں کری ایٹیو گروپ کی حیثیت دے دیں۔

۱۸ جون کی شام کو ہوٹل کے کمرہ میں کچھ لوگ جمع ہوگئے۔ ان کی خواہش تھی کہ فقہی اختلاف کے مسئلہ کی وضاحت کی جائے۔ میں نے تقریباً آدھ گھنٹہ تک اس کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کی۔ لوگ مطمئن ہوگئے۔ اس گفتگو کا ٹیپ جناب فاروق فیصل صاحب کے پاس موجود ہے۔

۱۴ مئی ۱۹۹۵ کو ممبئی میں راجستھان، مہاراشٹر، گجرات اور دہلی کے چیف منسٹروں نے ایک پریس کانفرنس کی تھی۔ اس میں کیشو بھائی پٹیل منوہر جوشی اور مدن لال کھورانہ کے علاوہ

گوپی ناتھ منڈے جسونت سنگھ وغیرہ بھی موجود تھے۔ انھوں نے متفقہ طور پر مرکزی حکومت پر زور دیا کہ وہ پاکستان کو سبق سکھائے تاکہ پڑوسی ملک کو اپنے کرایہ کے سپاہیوں کے ذریعہ چرار شریف طرز کی گھناؤنی کارروائیوں سے باز رکھا جاسکے۔

چار ریاست کے ان چیف منسٹروں کو شاید یہ بات معلوم نہیں کہ کشمیر کا موجودہ سنگین مسئلہ "سبق سکھانے کی سیاست" ہی کے نتیجہ کی پیداوار ہے۔ یہ مسز اندرا گاندھی کا ذہن تھا۔ چنانچہ اسی سبق سکھانے کے لئے ۱۹۷۱ میں وہ شیخ مجیب الرحمٰن کے ساتھ بنگلہ دیش کی جنگ میں باقاعدہ شریک ہوگئیں۔ اپنے خیال سے انھوں نے پاکستان کو دو ٹکڑے کر کے اس کو سبق سکھادیا تھا۔ مگر اس کے بعد پاکستان میں از سر نو انتقام کی نفسیات جاگ اٹھیں۔ اس نے دوبارہ ہم کو سبق سکھانے کے لئے کشمیر کا محاذ کھول دیا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ۱۹۷۱ سے پہلے پاکستانی عوام کشمیر کو تقریباً بھول چکے تھے مگر ۱۹۷۱ کے بعد ان کے اندر دوبارہ ہندستان کے خلاف جذبات بھڑک اٹھے اور بنگلہ دیش کا بدلہ لینے کے لئے انہوں نے پھر سے کشمیر کا محاذ کھول دیا۔

ٹائمز آف انڈیا کے سنڈے اڈیشن (۱۸ جون ۱۹۹۵) میں ایک مضمون مسٹر عبد الرحمٰن انتولے کے بارے میں تھا۔ اس میں ان کی پوری زندگی کو علم نجوم (ایسٹرولوجی) کی روشنی میں بیان کیا گیا تھا۔

عبد الرحمٰن انتولے ۹ فروری ۱۹۲۹ کو مہاراشٹر کے ایک قصبہ میں پیدا ہوئے۔ ۸۰-۱۹۷۶ میں وہ راجیہ سبھا کے ممبر بنے۔ ۱۹۷۷ میں وہ انڈین نیشنل کانگریس کے جنرل سکریٹری مقرر ہوئے۔ ۸۲-۱۹۸۰ میں وہ مہاراشٹر کے چیف منسٹر تھے۔ اس کے بعد ان کی زندگی میں مختلف اتار چڑھاؤ آتا رہا۔ جون ۱۹۹۵ میں وہ مرکز میں ہیلتھ منسٹر مقرر ہوئے۔ آخر میں درج تھا:

His planets once elevated Antulay to the highest postition in life and he ruled the state like a Moghul king holding durbars.

فاروق فیصل صاحب نے بمبئی کے انگریزی روزنامہ مڈڈے (Mid-day) کا شمارہ ۱۷ جون ۱۹۹۵ دیا۔ اس میں بمبئی کے مشہور جرنلسٹ مسٹر ایم وی کامتھ کا ہفتہ وار کالم تھا۔ اس بار انھوں نے

میرے بارے میں لکھا تھا۔ اس کا پہلا پیراگراف تھا:

I have great respect for that venerable gentleman, Maulana Wahiduddin Khan. He is, or has become a syndicated columnist and I follow his writings with great interest. The Maulana is president of the Islamic centre. I have had the honour of meeting him on a couple of occasions, but I am afraid I never could really manage to have a heart -to- heart talk with him.

بمبئی کے ایک جرنلسٹ مسٹر اقبال مسعود نے ٹائمز آف انڈیا میں شائع شدہ میرے ایک مضمون پر اپنا تبصرہ انگریزی اخبار پانیر (۲۹ مئی ۱۹۹۵) میں شائع کیا تھا۔ اس کے آخر میں انھوں نے لکھا تھا کہ بمبئی کے مسلمان میرے مشورہ کے مطابق، حقیقت پسندانہ سیاست کا طریقہ اختیار کرنے کے لئے تیار ہو چکے ہیں:

I think Bombay Muslims are in a mood to give Maulana Wahiduddin Khan a hearing. That is a great advance. There is room for cautious optimism, for a radical change in Muslim perception of Hindus.

اس "تبدیلی" کے مختلف مظاہر بمبئی کے اس سفر میں دیکھے۔ ان میں سے ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ بمبئی کے ایک صاحب نے یہ طے کیا ہے کہ وہ ہر مہینہ ایک بڑی رقم صرف اس لئے دیں گے کہ اس کے ذریعہ سے ماہنامہ الرسالہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچایا جائے۔ خدا کے فضل سے اس پر عمل درآمد شروع ہو گیا ہے۔

بمبئی سے ایک اردو ماہنامہ البلاغ کے نام سے شائع ہوتا ہے۔ اس کے شمارہ اکتوبر ۱۹۹۵ میں ایک مضمون میرے بارے میں چھپا تھا۔ مضمون نگار میرے اوپر "تبصرہ" کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "جو حضرات اخبارات و رسائل میں مولانا کے انداز فکر اور طرز نگارش سے واقف ہیں ان کو یہ تو معلوم ہی ہوگا کہ موصوف قرآن و حدیث کے احکام کو کس طرح قومی و ملی مسائل پر چسپاں کر کے (مسلمانوں کو) مجہولیت و مفعولیت کا پیغام دیتے رہے ہیں" (صفحہ ۲۶)

یہ میرے اوپر سراسر اتہام ہے کہ میں مجہولیت اور مفعولیت کا سبق دیتا ہوں۔ میں نے اس قسم کی بات کبھی بھی الرسالہ میں نہیں لکھی۔ الرسالہ کے تمام قارئین جانتے ہیں کہ میں مسلمانوں کو جس چیز کا سبق دیتا ہوں وہ صبر و اعراض ہے اور صبر و اعراض بلاشبہہ قرآن و سنت کی ایک اہم تعلیم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام علماء صالحین ہمیشہ ملت کو صبر و اعراض کی تلقین کرتے رہے ہیں۔

الرسالہ میں صبر کو ایک اصول اسلام کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے۔ عجیب بات ہے کہ بہت سے لوگ صبر کو ایک اصول کے طور پر اختیار کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے مگر جب حالات کا دباؤ پیش آتا ہے تو یہی لوگ اس وقت صبر کی بولی بولنے لگتے ہیں۔ اس کی ایک مثال خود ماہنامہ البلاغ بھی ہے۔

ماہنامہ البلاغ (بمبئی) کے شمارہ جون ۱۹۹۵ میں ایک مضمون نظر سے گذرا۔ اس کا ایک حصہ یہ ہے:

"(قرآن میں) ارشاد فرمایا واصبروا۔ یعنی صبر کو لازم پکڑو۔ سیاق کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نزاع اور جھگڑوں سے بچنے کا کامیاب نسخہ بتایا گیا ہے۔ دوسروں کے ساتھ چلنے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ آدمی خلاف طبع امور پر صبر کرنے اور نظر انداز کرنے کا عادی ہو۔ اسی صفت کا دوسرا نام صبر ہے۔ یہ ہر شخص جانتا ہے کہ نزاع بہت بری چیز ہے۔ مگر اس سے بچنے کا گر یہی ہے کہ آدمی خلاف طبع امور پر صبر کرنے کا خوگر بنے"۔

ایک آٹو رکشا سڑک سے گزرا۔ اس کے پیچھے ہندی میں یہ الفاظ لکھے ہوئے نظر آئے میرا بھارت مہان، پر قرض سے پریشان۔

حال میں ورلڈ بینک نے کہا ہے کہ ہندستان کے بڑھے ہوئے قرضوں کی وجہ سے اس کی آمدنی کا بہت بڑا حصہ سود کی ادائیگی میں چلا جاتا ہے۔ ٹائمس آف انڈیا (۱۷ جون ۱۹۹۵) کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ مرکزی وزیر مالیات مسٹر من موہن سنگھ نے اقرار کیا ہے کہ سودی

قرضوں کی ادائیگی کی بڑھی ہوئی شرح کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہمارا خزانہ اس کی ادائیگی میں خالی ہو جاتا ہے:

The union finance minister, Mr. Manmohan Singh, has confessed that mounting interest payments are a drain on the exchequer.

ایک کشمیری مسلمان سے ملاقات ہوئی۔ ان کو میں نے انگریزی اخبار دی ایشین ایج کا شمارہ ۱۹ جون دکھایا۔ اس میں مرکزی وزیر داخلہ مسٹر ایس بی چوہان کا انٹرویو تھا۔ انھوں نے بھارتیہ جنتا پارٹی کے نقطۂ نظر کو رد کرتے ہوئے کہا تھا کہ لوگوں کو جاننا چاہئے کہ جموں اور کشمیر کے لوگوں نے اس وقت انڈیا سے الحاق کیا جب کہ انھیں یہ یقین دہانی کرائی گئی کہ انڈیا میں ان کو خصوصی درجہ (special status) حاصل رہے گا۔ ہم اس دعویٰ سے پھر نہیں سکتے جب تک کہ خود کشمیری عوام ہی کچھ اور چاہیں (صفحہ ۴)

میں نے کہا کہ کشمیر کو چاہئے کہ وہ ہتھیار پھینک دیں اور جنگجوئی کا طریقہ چھوڑ کر گفت و شنید کی میز پر آجائیں۔ انڈین یونین کے اندر خصوصی درجہ کے اصول پر وہ ہندستانی لیڈروں سے گفتگو کریں۔ کشمیریوں کے لئے یہی واحد، صحیح راستہ ہے۔

اقبال مسعود صاحب بمبئی میں رہتے ہیں۔ دسمبر ۱۹۹۲ کے فساد کے وقت وہ بمبئی ہی میں موجود تھے۔ اس فساد کی بابت انھوں نے روزنامہ پانیر (۱۳ جون ۱۹۹۵) میں لکھا تھا:

On December 6, 1992, evening, an advocate, a stranger to me, rang me up from a muslim area: "Iqbal saheb, you do not know me. But here are some wild young men who want to attack police stations tomorrow." I was taken aback but agreed to talk. I heard wild uncontrolled rage. "The police kept quiet at Babri Masjid when it was demolished. Now they should not object if we attack police stations."

چند دن پہلے ٹائمس آف انڈیا (۱۵ جون ۱۹۹۵) میں مسٹر ہربنس کھیا کا ایک مضمون میرے بارہ میں چھپا ہے۔ یہاں بہت سے لوگ اس کو پڑھ چکے تھے۔ اس میں مضمون نگار نے اعتراف کیا

ہے کہ پچھلے چند برسوں میں ہندستانی مسلمانوں کے اندر غیر معمولی تبدیلی آچکی ہے۔ یہ تبدیلی عین اس رخ پر ہے جس کے لئے میں لمبی مدت سے مسلسل کوشش کرتا رہا ہوں۔ مضمون نگار نے لکھا ہے:

The dead silence that has followed the Supreme court's recent directive to the government regarding a uniform civil code is almost deafening in comparison with the very noisy intervention of the muslim leadership following the far more innocuous Shah Bano judgement. The community's silence also in the aftermath of the burning down of Charar-e-Sharief is voluble. And now the news of Mr A.K. Antony's victory from a predominantly Muslim constituency! What has changed the scenario of the indian Muslims?

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں میں نے کہا کہ آج کا اصل مسئلہ ہندو۔مسلم کشیدگی ہے۔ اسی کشیدگی نے سارے مسائل پیدا کئے ہیں۔ ۷۰ سال پہلے اقبال نے کہا تھا:

مرا بنگر کہ در ہندوستاں دیگر نمی بینی برہمن زادۂ دانائے رمز روم و تبریز است

اقبال نے فخر کے ساتھ اپنے برہمن زادہ ہونے کا ذکر کیا مگر کسی نے اس کو برا نہیں مانا۔ آج یہ حال ہے کہ اگر میں ہندوؤں کے کسی جلسہ میں شریک ہو کر وہاں اسلام کا تعارف پیش کروں تو لوگ اس کو الٹے معنوں میں لے لیتے ہیں اور میرے خلاف عیب زنی کی مہم شروع کر دیتے ہیں۔

۱۹ جون کو صبح ۸ بجے مجھے ہوٹل چھوڑ کر ایرپورٹ کے لئے روانہ ہونا تھا۔ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی۔ دعا کرتے ہوئے خیال آیا کہ الرسالہ مشن کی کہانی کو ایک شمارہ کی صورت میں شائع کیا جائے۔ اس کا نام "روداد چمن" ہو اور اس کے نیچے یہ درج ہو:

قفس میں مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈر ہمدم گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

مسٹر ایم اے صدیقی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور نہایت ذہین آدمی ہیں وہ الرسالہ کے قاری ہیں۔ واپسی میں ایرپورٹ پر میں نے ان سے کہا کہ آپ اپنے تجربات حیات بتائیے۔ کافی اصرار کے بعد

انھوں نے کاغذ پر یہ الفاظ لکھے: عمر کے اندر اس مرحلہ پر آکر میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ زندگی کا آغاز کر رہا ہوں، یعنی مفید اور کار آمد زندگی کا۔

بمبئی سے انڈین ایر لائنز کی فلائٹ ۱۸۵ کے ذریعہ روانگی ہوئی۔ جہاز ٹھیک مقرر وقت پر بمبئی سے روانہ ہوا۔ ۱۶ جون کی شام کو جب میں بمبئی پہنچا تھا تو ناونسر نے اعلان کیا تھا کہ باہر کا درجۂ حرارت ۲۸ ڈگری ہے۔ واپسی میں جب میں دہلی پہنچا تو ناونسر نے کہا کہ باہر کا درجہ حرارت ۳۸ ڈگری ہے۔ بمبئی اور دہلی میں دس درجہ کا فرق تھا۔

اسٹیٹسمین (۱۹ جون ۱۹۹۵) میں ایک مضمون میں بتایا گیا تھا کہ وزیر اعظم پی وی نرسمہاراؤ کی کامیابی کا راز ان کا ٹھنڈا انداز (cool approach) ہے۔ یہ بات نہایت صحیح ہے۔ خواہ کوئی شخص ملک کا وزیر اعظم ہو یا ایک عام آدمی ہو، ہر ایک کے لئے کامیابی کا یہی واحد طریقہ ہے۔

ٹھنڈا مزاج آدمی کو بھرپور طور پر سوچنے کا موقع دیتا ہے۔ اسی طرح آدمی اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے دماغ کی پوری صلاحیت کو استعمال کر کے صحیح ترین تدبیر اختیار کرے۔ اور جو لوگ ایسا کریں انھیں کوئی بھی چیز کامیابی سے روک نہیں سکتی۔

یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ مسلمان ہوائی جہاز کی صنعت میں بھی داخل ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں کی ایک بڑی ہوائی کمپنی بن چکی ہے جس کا ہیڈ کوارٹر بمبئی میں ہے۔ اسی طرح مسلم نوجوان ہوائی جہاز کی سروس میں داخل ہو رہے ہیں۔ انھیں میں سے ایک مسٹر ابو انصاری ہیں۔ وہ پائلٹ ہیں اور بمبئی اور بھوپال کے درمیان پروازوں میں بطور ہوا باز کام کر رہے ہیں۔

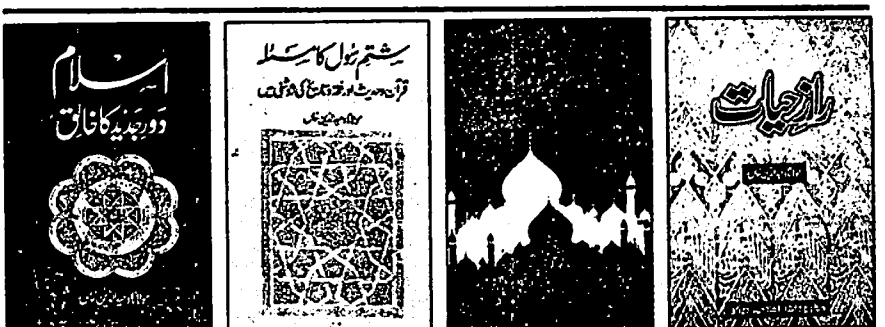

سوال

(۱) قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو" (بنی اسرائیل) اس آیت کو اگر اس کے سادہ معنوں میں لیا جائے تو اب تک جتنی آیاتِ الٰہی کائنات میں ڈسکور (discover) ہوئی ہیں جو کہ پہلے لا معلوم تھیں وہ ڈسکور نہ ہوتیں۔ یا پھر اس آیت کا کیا مطلب ہے۔ (۲) قرآن میں ہے: "تم میں کوئی ایسا نہیں جو جہنم پر وارد نہ ہو" (مریم ۷۱) کیا اس آیت سے کوئی مستثنیٰ نہیں حتی کہ پیغمبر اور صحابہ بھی۔ (عبد الشکور انجینئر، چمن ،بلوچستان)

جواب

ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہیں (بنی اسرائیل ۳۶) اس آیت کا تعلق کائنات سے نہیں ہے بلکہ انسان سے ہے۔ جہاں تک کائناتی حقیقتوں کا معاملہ ہے ان کا حکم دوسری آیتوں سے معلوم ہوتا ہے نہ کہ اس آیت سے۔ قرآن میں کثرت سے اس پر ابھارا گیا ہے کہ کائنات کی نشانیوں پر غور کرو۔ حتیٰ کہ کائنات میں غور و فکر کو ایمان کی ایک صفت قرار دیا گیا ہے اور وہ اسلام میں بے حد مطلوب ہے۔ اس سے مومن کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ جہاں تک سورہ بنی اسرائیل کی مذکورہ آیت کا تعلق ہے، وہ ایک اخلاقی ہدایت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے معاملہ میں حسن ظن سے کام لو۔ بد گمانی کا شکار ہو کر غیر ضروری ٹوہ میں نہ لگو۔ یہ عین وہی چیز ہے جس کو قرآن میں دوسری جگہ تجسس کہا گیا ہے اور اس کو سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے (الحجرات ۱۲)

سورہ مریم (آیت ۷۱) میں آخرت کے جس تجربہ کا ذکر ہے اس کی تشریح تذکیر القرآن میں دیکھی جا سکتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں ورود کا مطلب دخول نہیں بلکہ اس کا مطلب مرور ہے۔ یعنی تمام لوگ جہنم کے اوپر سے گزریں گے، نہ کہ وہ اس کے اندر داخل ہوں گے۔ چنانچہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں اس کو جسر (پُل) جیسا معاملہ قرار دیا گیا ہے۔

ایک طوفانی دریا کے اوپر پُل ہو اور آپ اس پل سے گزریں تو آپ دریا کی ہولناک موجوں کو دیکھیں گے لیکن آپ اس کے اوپر سے صحیح وسلامت گزر جائیں گے۔

سوال

آپ کہتے ہیں کہ موجودہ زمانہ مذہبی آزادی کا زمانہ ہے۔ آج ہمارے لئے یہ موقع ہے کہ ہم آزادی کے ماحول میں اسلامی دعوت کا کام کر سکیں۔ مگر واقعات اس کے برعکس تصویر پیش کرتے ہیں۔ کوسووا، بوسنیا، سیریا، مصر، عراق، برما، کشمیر، فلسطین، امریکہ، میں کیا ہو رہا ہے۔ ہر جگہ مسلمان ظلم وزیادتی کا شکار ہو رہے ہیں۔ ان کے ساتھ ہر طرح کی زیادتیاں کی جارہی ہیں۔ پھر مذہبی آزادی کہاں ہے۔ یہ سوال ہم کو بذریعہ انٹرنیٹ مائیکل شمڈت (Michael Schimidt) کی طرف سے موصول ہوا ہے۔

جواب

اس معاملہ کو سمجھنے کے لئے یہ دیکھنا ہوگا کہ جن ملکوں میں مسلمانوں کو مذہبی زیادتی کا سامنا پیش آرہا ہے وہاں یہ مسئلہ کب سے پیدا ہوا۔ واقعات بتاتے ہیں کہ دوسرے ملکوں کی طرح ان ملکوں میں بھی مسلمانوں کو مکمل امن اور آزادی حاصل تھی۔ اس کے بعد ان کے درمیان کچھ ناعاقبت اندیش لیڈر اٹھے جنھوں نے جذباتی نعروں کے ذریعہ مسلمانوں کو بھڑکایا اور انھیں مقامی حکمرانوں سے ٹکرادیا۔ جب ایسا ہوا تو اس کے بعد وہ مسائل پیدا ہوئے جن کو آپ مذہبی زیادتی کے مسائل کہتے ہیں۔ مذکورہ ملکوں میں سے ہر ملک کا معاملہ یہی ہے۔ ان مقامات پر مسلمانوں کو یہ کرنا تھا کہ وہ ملک اور مال کے نام پر سیاسی جنگ نہ چھیڑتے۔ وہ ملی ہوئی آزادی کو استعمال کرتے ہوئے دعوتی اور تعمیری کام کرتے تو یقینی طور پر انھیں ان زیادتیوں کا شکار نہ ہونا پڑتا جن کا ذکر آپ اخباروں میں دیکھتے ہیں۔ مذکورہ سوال میں امریکہ کی مثال بھی دی گئی ہے۔ سائل کے نزدیک وہاں کے مسلمان میڈیا کے شدید مخالفانہ پروپیگنڈوں کا شکار ہو رہے ہیں:

Muslims are under a heavy media propaganda campaign.

یہ بات درست نہیں۔ جس چیز کو اسلام کے خلاف میڈیا کا پروپیگنڈہ کہا جاتا ہے۔ اس کے ذمہ دار تمام تر خود مسلمان ہیں۔ میڈیا کیا ہے؟ وہ واقعات کے رپورٹ کی انڈسٹری ہے۔ مسلمان جگہ جگہ اسلام کے نام پر متشددانہ تحریکیں چلا رہے ہیں۔ میڈیا اسی کی رپورٹ کرتا ہے۔ چونکہ یہ مسلمان اپنی متشددانہ تحریکوں کو اسلام کے نام پر چلاتے ہیں اس لئے میڈیا بھی ان کو اسلام کے نام سے منسوب کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مسلمان جو تشدد اسلام کے نام پر کریں گے اس کی رپورٹ بھی اسلام ہی کے نام پر کی جائے گی۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ یا تو وہ اپنا یہ بے فائدہ تشدد ختم کر کے پر امن ذرائع سے کام کریں۔ یا وہ اپنی متشددانہ تحریکوں کو اسلام اور اسلامی جہاد کے نام پر نہ چلائیں۔ اس کے بعد انھیں میڈیا سے یہ شکایت بھی نہ ہوگی کہ میڈیا اسلام کو بدنام کر رہا ہے۔

سوال

مذہب اور انسان کے بارے میں میرا نظریہ یہ ہے کہ مذہب صرف ایک پہچان کی چیز ہے، یعنی یہ کہ ہم فلاں مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ کون کیا کر رہا ہے تو اس سے کوئی مطلب نہیں رکھنا چاہئے۔ البتہ ہم دوسروں کی جتنی مدد کر سکیں وہ ہم کو کرنا چاہئے۔ میرے نزدیک انسان کا اصل مقصد خدمت انسانیت ہے۔ اور سب سے بڑا مذہب انسان کی خدمت کرنا ہے۔ مذہب اور انسان کے بارے میں میرے یہ نظریات ہیں۔ براہِ کرم آپ اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں اور بتائیں کہ کیا میرے یہ نظریات درست ہیں۔ (محمد قاسم خاں، نئی دہلی)

جواب

سب سے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ موجودہ دنیا میں کسی مذہب کو درست مذہب قرار دینے کے لئے صحیح معیار (criterion) کیا ہے۔ وہ صرف ایک ہے۔ اور وہ خالق کائنات کا تخلیقی نقشہ ہے۔ یہ تخلیقی نقشہ ہمیں قرآن سے معلوم ہوتا ہے۔ اس تخلیقی نقشہ کے مطابق، اس دنیا کے لئے ایک ہی مذہب درست مذہب ہے، اور وہ مذہب مذہبِ توحید ہے۔ یعنی ایک اللہ کو اپنے خوف اور محبت کے جذبات کا مرکز بنا کر اس کے مطابق زندگی گزارنا۔

قرآن کے مطابق، شیطان آدمی کا دشمن ہے۔ وہ مسلسل اس کوشش میں رہتا ہے کہ آدمی کو مذہب توحید سے ہٹادے۔ اس مقصد کے لئے اس نے مختلف خود ساختہ مذہب بنائے۔ مثلاً مذہبِ شرک، مذہبِ الحاد، مذہبِ اشتراکیت۔ اس سلسلہ میں شیطان نے جو سب سے زیادہ خطرناک مذہب ایجاد کیا وہ یہی مذہب انسانیت ہے۔ اس کو موجودہ زمانہ میں ہیومنزم کہا جاتا ہے۔ مگر سادہ طور پر یہ صرف ایک انسانی نظریہ نہیں۔ وہ خدا کو تخت معبودیت سے ہٹا کر وہاں انسان کو اس کی جگہ بٹھانا ہے۔

It is like transfering of seat from God to man.

حقیقت یہ ہے کہ انسان کا پورا وجود، اس کا دل و دماغ، اس کے جذبات و کیفیات سب خالق کی امانت ہیں۔ انسان کا مرکز توجہ پوری طرح صرف ایک خدا کو ہونا چاہئے۔ دوسری ہر چیز، حتی کہ انسانی خدمت بھی، خدا کے تابع ہونا چاہئے نہ کہ اس سے آزاد۔

سوال

میں آپ کے ذہن و دماغ کا قائل ہوں۔ ساتھ ہی آپ کی خلوصِ نیت کا بھی۔ مگر عجیب بات ہے کہ مسلمان آج بھی اپنی دیرینہ طرزِ فکر سے نکل نہیں پا رہے ہیں۔ اور آج بھی نام نہاد قائدین کو اپنا نجات دہندہ سمجھ رہے ہیں۔ قائدین کی ان غلطیوں کو ماننا پہلے دشوار معلوم ہوتا تھا مگر اب حقائق کی کثرت نے ان کے تمام فارمولوں کو فیل کر دیا۔ پہلے میں آپ کی فکر میں آپ کو اکیلا تصور کر رہا تھا مگر حالات و واقعات کا بغور مطالعہ آپ کی فکر کی تائید کرتا ہے۔ آپ کی جانب سے امن کا پیغام اور مثبت طرز فکر، ان دونوں کو میں نے گانٹھ باندھ لیا ہے۔ مسائل کو نظرانداز کر کے مواقع کا استعمال نہایت ہی بہترین فارمولا ہے۔ دراصل ہمارے زیادہ تر سیاسی رہنما idealist واقع ہوئے ہیں نہ کہ realist۔ اور اول الذکر کی بنیاد پر ایک خیالی دنیا تو تعمیر ہو سکتی ہے مگر حقیقی کامیابیوں سے بھرپور دنیا نہیں۔ مجھے تعجب اس بات کا ہے کہ آخر آپ اپنے ہم عصروں کی فکر کی زد سے کیسے نکل آئے جب کہ آج بھی ان لوگوں کی فکر مسلمانوں کے اوپر حکمراں ہے۔ یہی بات

آپ کی ذہانت کی دلیل ہے۔ آپ جیسے زیرک حضرات کا آج فقدان ہے اور خدا سے دعا ہے کہ آپ جیسے لوگوں کو نوبل انعام سے نوازا جائے۔

میں علامہ اقبال کا admirer رہا ہوں اور ان کی فکر پر تنقید کو طفلانہ سمجھتا تھا مگر آپ کی بے لاگ تنقید نے علامہ کی فکر کا جائزہ لینے میں بڑی مدد کی ہے۔ میں اب بتدریج Idealism سے Realism کی طرف آرہا ہوں اور میری اس دریافت میں آپ کا بڑا ہاتھ ہے۔ (طارق اشفاق، عماد الملک روڈ، اے ایم یو، علی گڈھ)

جواب

حدیث میں آیا ہے کہ: ان الدین یسر (صحیح البخاری، کتاب الایمان) یعنی دین آسان ہے۔ اس کے مطابق، دین کو سمجھنا ہر آدمی کے لئے آسان ہونا چاہئے، اور بلاشبہہ اس کا سمجھنا آسان ہے۔ البتہ خدا کے دین کو سمجھنا اس وقت مشکل ہو جائے گا جب کہ آدمی خدا کے دین کو غیر خدا سے اخذ کرنے لگے۔ موجودہ زمانہ میں یہی پیش آیا ہے۔ لوگ عام طور پر دین کو اپنے مفروضہ اکابر کے ذریعہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی چیز لوگوں کے لئے فہم دین میں پردہ بن گئی ہے۔ میں خدا کے فضل سے کبھی بھی اکابر پرستی کا شکار نہیں رہا۔ میں امام ابو حنیفہ کے اس قول کو مانتا ہوں کہ ھم رجال ونحن رجال۔ اس لئے میں خود براہ راست قرآن وسنت سے دین کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں اور اس دنیا کے لئے خدا کا یہ قانون ہے کہ جو شخص صحیح راستہ سے کوشش کرے وہ ضرور اپنے مقاصد کو پائے گا۔ (مَن جَدَّ وَجَدَ)

اقبال کی مقبولیت کا سبب کیا ہے، وہ خود اقبال کے ایک شعر سے معلوم ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنے بارے میں کہا: مرا یاراں غزل خوانے شمردند (لوگوں نے مجھے ایک غزل خواں سمجھ لیا) غالباً اقبال یہ سمجھتے تھے کہ ان کے اشعار قوم کے اندر نئی سوچ لائیں گے اور لوگ تعمیر ملت کے محاذ پر سرگرم ہو جائیں گے۔ مگر عملاً صرف یہ ہوا کہ اقبال کے اشعار لوگوں کے لئے ذہنی تفریح کا سامان بن گئے۔ اقبال نے اپنے مذکورہ شعر میں غالباً اسی کی شکایت کی ہے۔ مگر یہ خود

اقبال کی غلطی ہے۔ ان کا یہ سمجھنا درست نہ تھا کہ اشعار کے ذریعہ وہ قوم کے اندر کوئی حقیقی بیداری لا سکتے ہیں۔ شعر ایک لفظی آرٹ ہے۔ وہ انسان کے لئے صرف ذہنی تفریح کا سامان بن سکتا ہے۔ شعر کسی حقیقی اصلاح کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن میں پیغمبر اسلام کے لئے فرمایا گیا ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کو شعر نہیں سکھایا اور وہ اس کے لئے مناسب نہیں (یس ۶۹) مصلح یا داعی نثر کی زبان میں کلام کرتا ہے۔ شعر کی زبان مصلح اور داعی کی زبان نہیں۔ لوگ عام طور پر تفریح پسند ہوتے ہیں۔ اس لئے تفریحی کلام تیزی سے لوگوں میں مقبول ہو جاتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں سنجیدہ نثر لوگوں کے درمیان بہت کم مقبول ہوتی ہے۔ مگر مذکورہ آیت اس بات کا ثبوت ہے کہ حقیقی اصلاح کا کام ہمیشہ نثر کی زبان میں ہوتا ہے نہ کہ ردیف اور قافیہ کی زبان میں۔

سوال

میں نے کچھ لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ آپ بھاجپا اور آر۔ ایس۔ ایس کے آدمی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ آپ کو اپنے جلسوں میں بہت بلاتے ہیں، اس کی حقیقت کیا ہے۔ (ایک قاری الرسالہ، دہلی)

جواب

یہ سراسر بہتان ہے۔ میرا مقصد اسلامی دعوت ہے اور اس مقصد کے لئے میں مسلمانوں کے اجتماعات کے علاوہ غیر مسلموں کے جلسوں میں بھی جاتا ہوں۔ مگر وہ صرف بھاجپا اور آر ایس ایس کے جلسے نہیں ہوتے بلکہ ان کا تعلق ہر مذہب کے لوگوں سے ہوتا ہے۔ مثلاً ہندو، عیسائی، جینی، سکھ، بودھ وغیرہ۔ آپ اگر اس معاملہ میں سنجیدہ ہوں تو آپ یہ کریں کہ ماہنامہ الرسالہ میں پچھلے دس سال کا خبر نامہ پڑھیں۔ آپ کو خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ میں کن لوگوں کے جلسوں میں جاتا ہوں۔ جو لوگ میرے بارے میں مذکورہ قسم کا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں وہ بلاشبہہ ایک فعل حرام کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ آخرت میں ان کی بہت شدید پکڑ ہوگی۔

غلط فہمی

قرآن میں ایک موقع پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں بتایا گیا ہے کہ تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا (الاحزاب ۳۷) سبب نزول یا وقتی انطباق کے اعتبار سے اس آیت کا تعلق زینب اور زید کے معاملہ سے ہے۔ مگر توسیعی انطباق کے اعتبار سے قرآن کی یہ آیت ایک اصول حیات کو بتاتی ہے۔ وہ یہ کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک بات آدمی کے دل میں ہوتی ہے مگر وہ اس کو اپنی زبان سے ظاہر کرنا پسند نہیں کرتا۔

پیغمبر اسلام کی زندگی میں اس اصول کی ایک مثال یہ ہے کہ خلافت کے لئے آپ اپنے بعد حضرت ابو بکر صدیق کو سب سے زیادہ اہل سمجھتے تھے۔ مگر آپ نے کبھی اپنی زبان سے اس کا صراحۃً اظہار نہیں فرمایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو یقین تھا کہ آپ کے بعد آپ کے اصحاب خود ہی اس مطلوب فیصلہ تک پہنچ جائیں گے۔ حضرت ابو بکر صدیق کی موجودگی میں وہ کسی اور کو اپنا امیر یا خلیفہ نہیں بنائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد جب امارت کا سوال پیدا ہوا تو صحابہ نے تقریباً اتفاق رائے سے حضرت ابو بکر صدیق کو اپنا خلیفہ چن لیا۔

مگر تاریخ بتاتی ہے کہ اس نظیر کے باوجود خلیفہ اول نے اس معاملہ میں اجتہاد سے کام لیا۔ اپنے بعد خلیفۂ دوم کے معاملہ کو انھوں نے عمومی انتخاب کے اوپر نہیں چھوڑا۔ بلکہ صراحت کے ساتھ حضرت عمر فاروق کو اس منصب کے لئے نامزد فرمایا۔

اس کا سبب یہ تھا کہ لوگوں کو حضرت عمر فاروق کے بارے میں ایک سخت قسم کی غلط فہمی تھی۔ حضرت عمر فاروق کے مزاج میں شدت تھی۔ لوگ حضرت عمر فاروق کے اخلاص اور قربانی کے معترف تھے۔ مگر ان کو یہ اندیشہ تھا کہ ایک ایسا آدمی خلافت کے نازک منصب کے لئے موزوں نہیں جس کے اندر شدت اور تنقید کا مزاج پایا جائے۔ حضرت عمر فاروق کے بارے میں لوگوں کی اسی غلط فہمی کی بنا پر خلیفۂ اول کو یہ اندیشہ تھا کہ اگر انہوں نے خود سے عمر فاروق کو نامزد نہیں کیا تو آپ کے بعد مسلمان شاید ان کو اپنا امیر بنانے پر اتفاق نہ کر سکیں گے اور اس طرح عین

وہی شخص مسلمانوں کا امیر بننے سے رہ جائے گا جو اپنی خصوصی اہلیت کی بنا پر مسلمانوں کی پوری جماعت میں امیر یا خلیفہ بننے کا سب سے زیادہ اہل ہے۔

مگر یہ غلط فہمی سراسر بے بنیاد تھی۔ اصل حقیقت برعکس طور پر یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق ان انتہائی نادر انسانوں میں سے تھے جن کو تاریخ ساز انسان کہا جاتا ہے۔ مگر اس غیر معمولی صفت کے باوجود بظاہر یہ ممکن نظر نہیں آتا تھا کہ خلیفۂ دوم کے منصب کے لئے لوگ ان کے نام پر متفق ہو جائیں گے۔ یہی اندیشہ تھا جس کی بنا پر خلیفۂ اول کو اس معاملہ میں پیشگی نظیر کے باوجود اجتہاد کرنا پڑا۔ چنانچہ انھوں نے ذاتی مداخلت کرتے ہوئے عمر فاروق کو اپنے بعد خلافت کے لئے نامزد کر دیا۔

حضرت عمر فاروق کے بارہ میں لوگوں کی یہ رائے تمام تر غلط فہمی پر مبنی تھی۔ حضرت عمر فاروق بے حد اصول پسند انسان تھے۔ وہ حق کے معاملہ میں مصالحت کو گوارہ نہیں کرتے تھے۔ اس چیز نے ان کے مزاج میں شدت پیدا کر دی تھی۔ وہ جب بھی کسی کو کوئی غلط بات کہتے ہوئے یا غلط کام کرتے ہوئے دیکھتے تو وہ اس پر سخت تنبیہ و تنقید کرتے۔ وہ جس چیز کو حق سمجھتے اس کے اعلان میں وہ کبھی کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے۔ اس بنا پر لوگ ان سے دور رہنے لگے۔ حتیٰ کہ رسول اللہؐ نے فرمایا خدا عمر پر رحم کرے، ان کا کوئی دوست نہیں۔

مگر حضرت عمر کے بارے میں لوگوں کا یہ احساس تمام تر غلط فہمی پر مبنی تھا۔ حضرت عمر فاروق کی شدت صرف ناحق کے خلاف ہوتی تھی نہ کہ کسی انسان کے خلاف۔ وہ عین اس وقت بھی انسان کے خلاف نفرت سے خالی ہوتے جب کہ وہ اس کی تنبیہ کر رہے ہوتے تھے۔ ان کے دل میں عین اس وقت بھی انسان کے لئے خیر خواہی کا جذبہ ہوتا تھا جب کہ بظاہر وہ اس کے خلاف غصہ کرتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ ان کی ہر سختی میں ایک نرمی چھپی ہوتی تھی۔ ان کی ہر تنقید کے پیچھے محبت کا جذبہ کار فرما ہوتا تھا۔

عام لوگ اس نازک فرق کو نہ سمجھ سکے۔ اس لئے انہیں حضرت عمر فاروق کے بارے میں سخت غلط فہمی پیدا ہو گئی۔ تاہم جو لوگ زیادہ باشعور تھے وہ اس راز کو سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب لوگوں نے حضرت عثمان سے حضرت عمر فاروق کی شکایت کی تو حضرت عثمان نے ان کے بارے

میں کہا کہ ان کا اندر ان کے باہر سے بہتر ہے۔ اسی طرح حضرت ابو بکر نے لوگوں کی شکایات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ عمر پر جب خلافت کی ذمہ داری آئے گی تو وہ اپنے آپ نرم ہو جائیں گے۔ (الکامل فی التاریخ لابن الاثیر جلد ۲ صفحہ ۴۲۵)

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ غلط فہمی کتنی خطرناک چیز ہے۔ غلط فہمی کی بنا پر آدمی ایک شخص کے بارے میں بالکل الٹی رائے قائم کر لیتا ہے۔ حالانکہ وہ شخص اس غلط رائے سے بالکل پاک ہوتا ہے۔ اس قسم کی منفی رائے غلط فہمی میں مبتلا ہونے والے کے اپنے دماغ میں ہوتی ہے۔ باہر کی دنیا میں سرے سے اس کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ یہ غلط فہمی بلاشبہہ ایک سنگین قسم کا اخلاقی جرم ہے۔ ہر آدمی پر لازم ہے کہ اس جرم سے اپنے آپ کو بچائے۔

۱۔ غلط فہمی سے بچنے کے لئے سب سے زیادہ ضروری تدبیر یہ ہے کہ آدمی محض سن کر کسی بات پر یقین نہ کرے۔ سنی ہوئی بات اکثر غلط ہوتی ہے۔ کسی معاملہ کی صحیح رپورٹ دینا بے حد مشکل کام ہے۔ ایسے لوگ ہمیشہ بہت کم ہوتے ہیں جو کسی واقعہ کو ٹھیک ویسا ہی بیان کریں جیسا کہ وہ ہے۔ اگر ایک آدمی کے دل میں دوسرے آدمی کے خلاف غلط فہمی پیدا ہوا جائے تو فرض کے درجہ میں ضروری ہے کہ غلط فہمی میں مبتلا ہونے والا شخص اس آدمی سے ملے اور خود صاحب معاملہ سے تحقیق کرے۔ براہ راست تحقیق کے بغیر کسی کے بارے میں بری رائے قائم کرنا سخت گناہ ہے۔

۲۔ جو آدمی غلط فہمی میں مبتلا ہو اس کے اوپر یہ فرض ہے کہ اس نے جس طرح کسی کے بارہ میں ایک بری رائے قائم کی ہے اسی طرح وضاحت کے بعد وہ اس بری رائے کو اپنے دماغ سے نکالے اور اپنی غلطی کا کھلا اعتراف کرتے ہوئے اپنے ذہن کی اصلاح کر لے۔ جس آدمی کے اندر غلطی کے اعتراف کا مادہ نہ ہو اس کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ کسی کے بارے میں غلط رائے کو اپنے ذہن میں جگہ دے۔

تجربہ بتاتا ہے کہ غلط فہمی اکثر حالات میں بے بنیاد ہوتی ہے۔ آدمی یک طرفہ رپورٹ یا ناقص معلومات کی بنیاد پر ایک بری رائے قائم کر لیتا ہے۔ حالانکہ اگر کھلے ذہن کے ساتھ تحقیق کی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہاں سرے سے ایسی کوئی چیز موجود ہی نہ تھی۔

آدمی کو چاہئے کہ وہ یا تو اتنا باشعور بنے کہ وہ باتوں کو گہرائی کے ساتھ سمجھ لے، اس کا ذہن اپنے آپ ہی غلط فہمی کو اپنے اندر جگہ دینے سے انکار کر دے۔ اور اگر کوئی آدمی اتنا زیادہ باشعور نہ ہو تو انسانیت کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ وہ غلط فہمی میں پڑنے سے پہلے براہِ راست طور پر اس کی مکمل تحقیق کرے۔ وہ اس وقت تک ہرگز کسی بات کو نہ مانے جب تک وہ تحقیق کی تمام شرطوں کے ساتھ اس کا جائزہ نہ لے چکا ہو۔

تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو ہر بری بات کو سنتے ہی اسے مان لیں۔ ایسے لوگ بلاشبہہ اسلام سے دور ہیں۔ خواہ بطور خود وہ اپنے آپ کو اسلام کے اعلیٰ معیار پر سمجھتے ہوں۔

۳۔ غلط فہمی دراصل ناقص معلومات کی بنیاد پر کامل رائے قائم کرنے کا دوسرا نام ہے۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی کسی کے بارے میں ایک جزئی بات سنتا ہے اور اس سے وہ اس آدمی کی کلی تصویر بنا لیتا ہے۔ کبھی کسی کا قول اس کے سیاق سے الگ ہو کر سامنے آتا ہے اور پورے سیاق کی روشنی میں دیکھے بغیر ایک ایسی رائے قائم کر لی جاتی ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ کبھی کسی آدمی کے ایک ظاہری پہلو کو دیکھ کر اس کے باطن کے بارے میں ایک نظریہ بنا لیا جاتا ہے۔ کبھی کسی سنی ہوئی بات کو ٹھیک ویسا ہی مان لیا جاتا ہے حالانکہ مختلف راویوں سے گزر کر وہ بات آخر کار ایک ایسی شکل اختیار کر لیتی ہے جس کا اصل واقعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کے علم میں ایک بات آتی ہے اور وہ خود ساختہ تعبیر کے ذریعہ اس کا ایک مفہوم متعین کر لیتا ہے حالانکہ یہ تعبیر اصل حقیقت کے بالکل خلاف ہوتی ہے۔

اس قسم کی مختلف صورتیں ہیں جو غلط فہمی کا سبب بنتی ہیں۔ غلط فہمی کا یہ معاملہ اتنا زیادہ وسیع ہے کہ انتہائی صالح افراد بھی اس کی زد سے مستثنیٰ نہیں۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ لوگوں نے کسی کے خلاف انتہائی بھیانک قسم کی رائے قائم کر لی۔ حالانکہ اس کے پیچھے بے بنیاد غلط فہمی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

ایسی حالت میں غلط فہمی کے گناہ سے بچنے کی واحد صورت یہ ہے کہ آدمی کسی کے خلاف رائے قائم کرنے میں سخت محتاط ہو۔ وہ مکمل تحقیق کے بغیر کبھی ایسی کوئی رائے قائم نہ کرے۔ آدمی کو چاہئے کہ وہ یا تو سرے سے کسی کے بارے میں کوئی رائے ہی قائم نہ کرے اور اگر رائے

قائم کرنا ضروری ہو تو اس کی تحقیق کا حق ادا کرے۔ رائے قائم نہ کرنے پر کسی کی کوئی پکڑ نہیں۔ مگر رائے قائم کرتے ہی آدمی خدا کی پکڑ کی زد میں آجاتا ہے۔ رائے قائم نہ کرنے والا معذور قرار دیا جا سکتا ہے۔ مگر مخالفانہ رائے قائم کرتے ہی اس کا عذر ختم ہو جاتا ہے۔ اب اس کا معاملہ یہ ہو جاتا ہے کہ یا تو وہ دوسرے کے بارے میں اپنی مخالفانہ رائے کو دلیل سے ثابت کرے، یا خود اسی چیز کا مجرم بنے جس کا الزام وہ بے بنیاد طور پر دوسرے کو دینا چاہتا تھا۔

۴۔ غلط فہمی یا بدگمانی کوئی سادہ بات نہیں۔ یہ بے حد ذمہ داری کی بات ہے۔ اگر آپ کسی کے خلاف برا گمان کر لیں تو آپ اپنے کو اس خطرہ میں مبتلا کر رہے ہیں کہ اگر فریق ثانی برا نہ ہو تو خدا کی نظر میں آپ خود اسی برائی کے ذمہ دار قرار پائیں، جس کا ذمہ دار آپ دوسرے کو سمجھے ہوئے تھے۔

ایک روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یرمی رجلٌ رجلاً بالفِسق ولا یَرمیه بالکُفر اِلاّ ارتَدَّتْ علیه إنْ لم یکن صاحبُه کذالك (مسند احمد ۱۸۱/۵) یعنی جب کوئی شخص کسی کے اوپر فسق کا الزام لگائے یا اس کے اوپر کفر کا الزام لگائے تو اس کا الزام خود اسی کی طرف لوٹ آئے گا اگر دوسرا شخص ویسا نہ ہو۔

بے بنیاد غلط فہمی بھی بلاشبہ ایک الزام کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ کسی کے بارے میں ایک ایسی غلط فہمی میں مبتلا ہونا ہے جو باعتبار واقعہ درست نہیں۔ ایسی حالت میں غلط فہمی یا بدگمانی سے بچنا خود اپنے فائدے کے لئے ضروری ہو جاتا ہے۔ وہ آدمی کا خود اپنا مسئلہ بن جاتا ہے۔ کیوں کہ فریق ثانی میں اگر وہ برائی نہ ہو تو خود بدگمانی کرنے والا اس کا مجرم قرار پائے گا۔

یہ حدیث رسول بے حد سنگین ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ آدمی غلط فہمی یا بدگمانی کے معاملہ میں آخری حد تک سنجیدہ ہو جائے۔ غلط فہمی اگر سادہ نوعیت کی ہو مثلاً آپ کسی کے بارے میں یہ رائے قائم کریں کہ وہ جلد غصہ میں آجاتا ہے تو اس میں اس کے لئے کوئی بڑا خطرہ نہیں۔ لیکن اگر کسی کے بارے میں غلط فہمی کی بنا پر ایسی سنگین رائے قائم کر لی جائے جو اخلاقی یا شرعی جرم کی حیثیت رکھتی ہو تو ایسی صورت میں معاملہ بے حد سنگین ہو جائے گا۔ ایسی سنگین غلط فہمی گویا دو دھاری تلوار ہے، وہ اگر فریق ثانی کو نہ کاٹے تو خود آپ کی ہلاکت کا سبب بن جائے گی۔

۱۔ مسٹر جیت شمسی (انجینئر) محکمہ بجلی، بمبئی، خدا کے وجود کو نہیں مانتے تھے۔ پھر الرسالہ کے ایک قاری جناب ولی محمد انصاری (دھولیہ) نے ایک روز انگریزی کتاب گاڈ ارائزز ان کو دی۔ اس کو پڑھ کر وہ اتنا متاثر ہوئے کہ انھوں نے کافی محنت کر کے اس کا مکمل ترجمہ اپنی مادری زبان مراٹھی میں کر ڈالا۔ اب یہ مراٹھی ترجمہ الرسالہ فورم، بمبئی کی طرف سے چھپ گیا ہے۔ یہ ۲۴۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کا نام "دھرما پڑھیل آوادھان" ہے۔ جو صاحب اس کتاب کو حاصل کرنا چاہیں وہ گاڈ ارائزز (مذہب اور جدید چیلنج) کا یہ مراٹھی ترجمہ اس پتہ سے حاصل کر سکتے ہیں: کلثوم کتاب گھر۔ مولانا بابا لین، جامع مسجد باندرہ (ویسٹ) بمبئی ۴۰۰۰۵۰، فون نمبر 6425201۔

۲۔ ۳ ستمبر ۱۹۹۹ کو اردو ٹائمز، بمبئی کے نمائندہ نے صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر ہندستان کے مسلمانوں کی سیاسی پالیسی سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ سیاسی پالیسی اس کا نام نہیں کہ الکشن کے دوران کسی پارٹی کی حمایت میں یا کسی پارٹی کے خلاف ووٹ دیا جائے۔ عملی سیاسی پالیسی کی تشکیل سے پہلے شعوری بیداری اور فکری تربیت کی ضرورت ہے۔ ورنہ عملی سیاست بے فائدہ ہو کر رہ جائے گی۔

۳۔ ہندی اخبار دینک بھاسکر کے نمائندہ نے صدر اسلامی مرکز کا ۲۵ ستمبر کو ایک انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر مہاتما گاندھی سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ مہاتما گاندھی نے سیاسی آزادی کو اولین ترجیح دی مگر زیادہ صحیح بات یہ تھی کہ تعلیم کو اولین ترجیح دی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ آزادی کے باوجود ہمارے مسائل حل نہیں ہوئے۔

۴۔ پانچ جنیہ ویکلی کے نمائندہ الوک گوسوامی نے یکم اکتوبر ۱۹۹۹ کو صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر اسلام اور جہاد سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ جہاد کی خاص شرطیں ہیں اور جب تک یہ شرطیں پوری نہ ہوں اس کو اسلامی

جہاد نہیں کہا جا سکتا۔ موجودہ زمانہ میں مختلف ملکوں میں جہاد کے نام پر جو لڑائیاں جاری ہیں ان میں کوئی بھی ان شرطوں پر پوری نہیں اترتی۔ اس لئے ان کو قومی لڑائی کہا جائے گا نہ کہ اسلامی جہاد۔

۵۔ فادر اگنل آشرم، بمبئی کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے بمبئی کا سفر کیا۔ وہاں ۲۱ جنوری ۲۰۰۰ کو آشرم کے سالانہ پروگرام میں خطاب کیا جس کا موضوع تھا: انٹر فیتھ ڈائیلاگ۔ تقریر میں بتایا گیا کہ اختلاف کے باوجود مختلف مذاہب کے لوگوں کو پرامن طور پر رہنا چاہئے۔ انھوں نے کہا کہ اختلاف اور فرق زندگی کی ایک حقیقت ہے۔ اس لئے صحیح طریقہ یہ ہے کہ لوگ اپنے اپنے عقیدہ پر عمل کریں اور دوسرے کا احترام کریں۔ اس کے علاوہ انھوں نے بمبئی میں مسلمانوں کے مختلف اجتماعات میں بھی شرکت کی۔ اس کے علاوہ انھوں نے اسلام اور مسلمانوں سے متعلق مختلف موضوعات پر گفتگو کی۔

۶۔ انگریزی ہفت روزہ (نئی دہلی) کے نمائندہ مسٹر سید نے ۳ فروری ۲۰۰۰ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق ہندستان کی مسیحی اقلیت اور مسلم اقلیت سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ صحافت کو چاہئے کہ وہ واقعات کو نہ گھٹائے اور نہ بڑھائے بلکہ ٹھیک ٹھیک رپورٹ کرے۔ اس سے غلط فہمی ختم کی جا سکتی ہے۔

۷۔ جامعہ ریاض الاسلام اور جامعہ ریاض البنات کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے حیدر آباد کا سفر کیا۔ اور حیدر آباد میں کئی ملی اور دعوتی پروگرام ہوئے۔ اس سفر کے دوران محبوب نگر میں جامعہ سراج العلوم کے جلسہ میں بھی شرکت کی اور خطاب کیا۔ یہ سب پروگرام ۶ فروری تا ۸ فروری ۲۰۰۰ کے دوران ہوئے۔ اس سفر کی تفصیل انشاء اللہ الرسالہ میں شائع کر دی جائے گی۔

۸۔ مسٹر اشوینی گڈو نے ۹ فروری ۲۰۰۰ کو دوردرشن کے لئے صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو ریکارڈ کیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر اسلام اور جہاد سے تھا۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ جہاد سے مراد

جدو جہد ہے نہ کہ قتال۔ اسلام کے پیغمبروں کو قرآن میں رحمۃ للعالمین کہا گیا ہے۔ اسلام کی تمام تر تعلیمات امن اور رحمت کے اصولوں پر مبنی ہیں۔ اسلام کا طریقہ کار پرامن طریقہ کار ہے نہ کہ متشددانہ طریق کار۔

۹۔ مسٹر اشوک کمار اوجھا اور بی ڈی ایس گوتم نے ۱۶ فروری ۲۰۰۰ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو ریکارڈ کیا۔ یہ انٹرویو آل انڈیا ریڈیو (نئی دہلی) کے لئے تھا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر پاپولیشن کنٹرول سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں بتایا گیا کہ انڈیا میں اصل مسئلہ اضافۂ آبادی کا نہیں ہے بلکہ معاشی مواقع کی کمی کا ہے۔ چنانچہ شہروں کی آبادی بڑھ رہی ہے جب کہ دیہاتوں میں برعکس نقشہ نظر آتا ہے۔ بڑھے ہوئے کرپشن کی وجہ سے دیہاتوں میں تعمیر وترقی کا کام نہ ہو سکا۔ چنانچہ لوگ مجبور ہو کر شہروں کی طرف رخ کر رہے ہیں۔ اضافۂ آبادی دراصل شہروں کا مسئلہ ہے نہ کہ ملک کا مسئلہ۔

۱۰۔ بی۔ ڈی۔ ایس گوتم اور اشوک کمار اوجھا نے ۱۶ فروری ۲۰۰۰ کو آل انڈیا ریڈیو کے لئے صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر مسلمانوں اور فیملی پلاننگ سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں بتایا گیا کہ یہ ایک بے بنیاد پروپیگنڈہ ہے کہ ہر مسلمان چار شادی کرتا ہے۔ ایک اور سوال کے جواب میں کہا گیا کہ اضافۂ آبادی کا مسئلہ زیادہ تر شہروں میں ہے نہ کہ دیہاتوں میں۔ دیہاتوں میں کام کرنے کے مواقع نہ ہونے کی وجہ سے لوگ بھاگ بھاگ کر شہروں میں آتے ہیں۔ اگر دیہات میں کام کرنے کے مواقع ہوں جیسا کہ مغربی ملکوں میں ہے تو شہروں کی آبادی بہت کم ہو جائے گی۔

۱۱۔ مشہور برٹش جرنلسٹ مارک تلی (Mark Tully) اور گلین رائٹ (Gillian Wright) نے ۱۷ فروری ۲۰۰۰ کو صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ یہ انٹرویو ان کی زیر ترتیب کتاب Sacred Places of India کے سلسلہ میں تھا۔ اس انٹرویو میں اسلام کے مختلف پہلو تفصیل کے ساتھ زیر بحث آئے۔ ایک سوال کے جواب میں بتایا گیا کہ انڈین اسلام یا

غیر انڈین اسلام کوئی چیز نہیں۔ اسلام وہی ہے جو قرآن اور سنت پر مبنی ہو۔

۱۲۔ ایک صاحب اپنے خط مورخہ ۱۷ جنوری میں لکھتے ہیں "مجھے غصہ بہت آتا تھا۔ ایک ڈاکٹر صاحب نے آپ کی کتاب "کتاب زندگی" مجھے پڑھنے کے لئے دی۔ اس سے مجھے بہت فائدہ ہوا۔ میرا غصہ ختم ہو گیا۔ میں نے بہت سے علماء کو پڑھا ہے، سب کے سب لڑنے جھگڑنے والی باتیں کرتے ہیں۔" اس طرح کے خطوط اکثر ڈاک سے ملتے ہیں۔ یہ خط اس کی صرف ایک مثال ہے۔ (محسن علی علمانی، ٹنڈو محمد خاں، ضلع حیدر آباد، سندھ، پاکستان)

۱۳۔ الرسالہ مشن کے تحت شروع سے اس پر زور دیا جاتا رہا ہے کہ ملت کا نمبر ایک مسئلہ تعلیم ہے۔ تعلیم تمام اصلاحات کی جڑ ہے۔ اب خدا کے فضل سے الرسالہ مشن سے متاثر افراد جگہ جگہ چھوٹے اور بڑے تعلیمی ادارے قائم کر رہے ہیں۔ دینی مدرسے بھی اور سیکولر اسکول بھی۔ اس کام کی اہمیت کی بنا پر ضرورت ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس تعمیری کام میں مشغول ہوں۔

۱۴۔ ایک نئی کتاب تیار ہو رہی ہے۔ اس کے تین حصے ہوں گے ــــ مطالعۂ قرآن، مطالعۂ حدیث، مطالعۂ سیرت۔ اس کا ایک حصہ مطالعۂ سیرت تیار ہو کر شائع کیا جا چکا ہے۔ اب مطالعۂ قرآن تقریباً لکھا جا چکا ہے۔ اس کے بعد انشاء اللہ مطالعۂ حدیث کی ترتیب عمل میں آئے گی۔ یہ تینوں اجزاء اولاً الگ الگ شائع کئے جائیں گے۔ اور پھر ان کا مجموعہ ایک مکمل کتاب کی صورت میں انشاء اللہ مطالعات اسلامی کے نام سے شائع کیا جائے گا۔

۱۵۔ امریکہ کا حلقۂ الرسالہ، خدا کے فضل سے الرسالہ مشن کو انٹرنیٹ پر لانے میں کامیاب ہوا ہے۔ چنانچہ ساری دنیا میں لوگ انٹرنیٹ کے ذریعہ الرسالہ کے مضامین پڑھ رہے ہیں۔ ان پڑھنے والوں کے تاثرات تقریباً ہر روز موصول ہوتے رہتے ہیں۔ ان میں سے جو جواب طلب ہوتے ہیں ان کا جواب بھی انٹرنیٹ کے ذریعہ دیا جاتا ہے۔ مقابل کے صفحہ پر دو خط کا خلاصہ دیا جا رہا ہے جو ہمیں بذریعہ انٹرنیٹ ملا ہے۔

Dear Brother,

I am very much delighted to read your publication titled, *The Moral Vision - Islamic Ethics for Success* written by Maulana Wahiduddin Khan. I congratulate you for doing such a noble work. I desire to get this book translated into Malayalam, so that the readers of Kerala will be highly benefited and I myself can do a small service in the path of *da'wah.*

If the proposal is agreeable to you, kindly respond along with the guidance on the steps to be taken in this regard.

Sincerely yours,

E.T. Mohammed Basheer
Member, Kerala Legislative Assembly
Government Guest House
Room No. 301
Trivandrum
Kerala, (India)

My Dear Brothers and sisters in Islam

This greeting comes to you from Australia. I would like to congratulate you all and particularly Maulana Wahiduddin Khan sahab for your sincere efforts to promote Islam around the world. I have found your web site very useful. Please keep it going for the good cause.

May Allah reward you for your efforts.

Yours in Perth: Hafeez Shaikh
Tel. 618-9478 3349

ایجنسی الرسالہ

الرسالہ بیک وقت اردو اور انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔ الرسالہ (اردو) کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ الرسالہ (انگریزی) کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہنچایا جائے۔ الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہنچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متوقع قارئین تک اس کو مسلسل پہنچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔

الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملت کی ذہنی تعمیر میں حصہ لینا ہے جو آج ملت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کارِ نبوت ہے اور ملت کے اوپر سب سے بڑا فریضہ ہے۔

ایجنسی کی صورتیں

۱۔ الرسالہ (اردو یا انگریزی) کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ ۱۰۰ پرچوں سے زیادہ تعداد پر کمیشن ۳۳ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔

۲۔ زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔

۳۔ کم تعداد کی ایجنسی کے لئے ادائیگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچہ ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں، اور صاحبِ ایجنسی ہر ماہ یا دو تین ماہ بعد اس کی رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ کردے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ (مثلاً تین مہینے) تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینہ میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

زرِ تعاون الرسالہ

ہندستان کے لئے	بیرونی ممالک کے لئے	(ہوائی ڈاک)	(بحری ڈاک)
ایک سال Rs. 110	ایک سال	$ 20/ £10	$ 10/ £5
دو سال Rs. 200	دو سال	$ 35/ £18	$ 18/ £8
تین سال Rs. 300	تین سال	$ 50/ £25	$ 25/ £12
پانچ سال Rs. 480	پانچ سال	$ 80/ £40	$ 40/ £18

ISLAMIC BOOKS

Books by Maulana Wahiduddin Khan

Islam and Peace	Rs. 150.00
Principles of Islam	145.00
The Quran for All Humanity	75.00
Indian Muslims	65.00
Islam and Modern Challenges	95.00
Islam: The Voice of Human Nature	40.00
Islam: Creator of the Modern Age	55.00
Woman Between Islam and Western Society	145.00
Woman in Islamic Shari'ah	80.00
Islam As It Is	55.00
An Islamic Treasury of Virtues	195.00
Religion and Science	45.00
Man Know Thyself	8.00
Muhammad: The Ideal Character	8.00
Tabligh Movement	40.00
Polygamy and Islam	7.00
Hijab in Islam	20.00
Concerning Divorce	7.00
The Way to Find God	25.00
The Teachings of Islam	50.00
The Good Life	45.00
The Garden of Paradise	45.00
The Fire of Hell	45.00
Islam and the Modern Man	25.00
Uniform Civil Code	10.00
Muhammad: A Prophet for All Humanity	195.00
A Treasury of the Qur'an	75.00
Words of the Prophet Muhammad	75.00
Qur'an: An Abiding Wonder	125.00
The Call of the Qur'an	95.00
No End to Possibilities	145.00
Introducing Islam	195.00

The Qur'an Tr. T.B. Irving	Rs. 295.00
The Koran Tr. M.H. Shakir	195.00
Heart of the Koran by Lex Hixon	195.00
The Moral Values of the Quran by Harun Yahya	125.00
The Essential Arabic by Rafi'el-Imad Faynan	200.00
Presenting the Qur'an by Saniyasnain Khan	125.00
The Wonderful Universe of Allah by Saniyasnain Khan	85.00
The Soul of the Qur'an by Saniyasnain Khan	145.00
Tell Me About Hajj by Saniyasnain Khan	295.00
The Muslim Prayer Encyclopaedia Ruqaiyyah Waris Maqsood	325.00
After Death, Life! Ruqaiyyah Waris Maqsood	195.00
Living Islam: Ruqaiyyah Waris Maqsood	295.00
A Basic Dictionary of Islam Ruqaiyyah Waris Maqsood	295.00
The Muslim Marriage Guide Ruqaiyyah Waris Maqsood	250.00
The Beautiful Commands of Allah Ruqaiyyah Waris Maqsood	125.00
The Beautiful Promises of Allah Ruqaiyyah Waris Maqsood	175.00
Muslim Travel Guide (Forthcoming) Ruqaiyyah Waris Maqsood	—
Muhammad: A Mercy to all the Nations by Q. A. Jairazbhoy	250.00
A-Z Steps to Leadership by Abdul Ghani Ahmed Barrie	95.00
The Sayings of Muhammad by Sir Abdullah Suhrwardy	75.00
The Life of the Prophet Muhammad by Mohd. Marmaduke Pickthall	75.00

Finest collection of books on Islam

RNI 28822/76 • L(SE) 12/2000
Delhi Postal Regd. No. DL/11154/2000